مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں

جس میں بڑی جرأت کے ساتھ مغربی تہذیب کے نقائص پر نکتہ چینی اور مشرق کے پرستان مغرب کی غلامانہ ذہنیت اور اندھی تقلید پر صاف صاف تنقید کی گئی ہے، اور مشرق و مغرب کی درمیانی خلیج کو پاٹنے اور انسانیت کی صحیح رہنمائی و خدمات کے لئے ایک راہ اعتدال کی نشاندہی کی گئی ہے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ باکس ۱۱۹ لکھنؤ

سلسلۂ مطبوعات مجلس

مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں

مولانا ندوی کے ان خطبات و مقالات کا مجموعہ جو یورپ اور ہندوستان میں مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر پیش کئے گئے ان مقالات و خطبات میں بڑی جرأت کے ساتھ مغربی تہذیب کے نقائص پر نکتہ چینی اور مشرق کے پرستاران مغرب کی غلامانہ ذہنیت اور اندھی تقلید پر صاف صاف تنقید کی گئی ہے، اور مشرق و مغرب کی درمیانی خلیج کو پاٹنے اور انسانیت کی صحیح رہنمائی و خدمت کے لئے ایک راہِ اعتدال کی نشاندہی کی گئی ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

بار پنجم

۱۴۲۴ھ ــــــ ۲۰۰۴ء

کتابت ــــــ ظہیر احمد کاکوروی

طباعت ــــــ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس (آفسٹ)

صفحات ــــــ ۱۹۲

قیمت ــــــ Rs. 25/-

تعداد اشاعت ــــــ ایک ہزار

طابع و ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(ندوۃ العلماء)

مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں

عربی تیسرا ایڈیشن سنہ ۱۹۷۷ء بیروت

انگریزی چوتھا ایڈیشن سنہ ۱۹۸۰ء لکھنؤ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

(بقلم مولانا محمد الحسنی — مدیر البعث الاسلامی)

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا رسول اللہ

مغرب کا عروج اور فکری، سیاسی اور معاشی اقتدار عالم اسلام کے لئے (جس نے اپنے کو اس اچانک اور تلخ حقیقت کو سمجھنے کے لئے تیار نہیں کیا تھا، بلکہ ان خطرات کا صحیح اندازہ نہ کرنے کی وجہ سے طویل عرصہ سے محو خواب تھا) ایک بڑے سانحہ سے کم نہ تھا، اس نے ان ذہنی اور فکری آندھیوں کی کوئی پرواہ نہیں کی جو مغرب کی طرف سے اٹھ رہی تھیں، جب یہ طوفان بالآخر بالکل سر پہ آپہنچا، اور زمام کار اس کے ہاتھ سے جاتی رہی تو اس نے محسوس کیا کہ اب اس کے سامنے دو راستے باقی رہ گئے ہیں۔

پہلا راستہ یا پہلا موقف ایک شکست خوردہ وفادار اور سعادت مند شاگرد کا ہے، اور دوسرا ایک ایسے دشمن اور مفتوح و مغلوب انسان کا جو بدلہ لینے کے جذبہ سے سرشار اور انتقام کی لذّت کے سوا کسی اور لذّت سے نا آشنا ہے، اور اسے اپنے دشمن میں خیر کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا، ان دونوں موقف کے

کچھ حامی اور مؤید ہیں، جن کے رجحانات وخیالات اور طرزِ عمل سے ان کا نقطۂ نظر پوری طرح واضح ہے، چنانچہ پہلا موقف ان لوگوں کا شعار سمجھنا چاہیئے جو مغرب کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر چکے ہیں، اس پر پورا ایمان رکھتے ہیں، اور اس کی عظمت و بالاتری کے گیت گاتے ہیں۔[1]

دوسرا موقف ان سیاسی رہنماؤں اور محب وطن لیڈروں کا ہے جو مغرب سے سیاسی طور پر بیزار اور انتقامی جذبہ اور نفرت سے سرشار ہیں۔[2]

جہاں تک پہلے موقف کا تعلق ہے اس کے حامی اور علمبردار بہت محدود فکر کے مالک اور ایک ایسی عقلیت کے حامل ہیں، جو اپنی ایک مخصوص سطح رکھتی ہے، اور اس سے آگے قدم بڑھانا اس کے بس میں نہیں، وہ کسی بڑے اور وسیع اُفق یا کسی بلند مقصد کی طرف نظر اٹھانے سے قاصر اور عاجز ہے، وہ صرف اس چیز کو دیکھتی ہے جس میں یورپ اپنی مقلد اقوام سے فائق ہے، یعنی طاقت کے مظاہر، وسائل اور سامانِ راحت وغیرہ، وہ یہ سمجھتی ہے کہ مغرب کی انتظامی صلاحیت اس کی پیشوائی و امامت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار یا تجاہل کسی طرح مناسب نہیں، اس کے نزدیک مشرق پر مغرب کا تسلط تقدیر خداوندی، قانونِ فطرت اور تاریخ کا طبعی اور منطقی نتیجہ ہے جس سے کشمکش اور حیلہ و تدبیر یا بزور شمشیر اس کو ختم کرنے کی کوشش سعی لا حاصل ہے، اس لئے ہمارے پاس

---

[1] اس مدرسۂ خیال اور دبستان ادب کا نمونہ دیکھنا ہو تو سر سید احمد خاں مرحوم اور ان کے تلامذہ کی تحریروں میں نیز مصر کے رفاعہ طہطاوی اور قاسم امین وغیرہ کے افکار وخیالات میں دیکھئے

[2] اس کا بہترین نمونہ جمال الدین افغانی کی تحریک اور "العروة الوثقیٰ" کے مقالات ہیں

اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں کہ اس حقیقت کو بے چوں و چرا تسلیم کرلیں اور اس کی ساری خرابیوں کے ساتھ (اگر اس میں خرابیاں ہوں) اس کی بالادستی کا اعتراف کرلیں، اس موقف کے حامی اور داعی یہ یقین رکھتے ہیں کہ مغرب ہم پر ہر چیز میں فائق ہے، نہ صرف صنعت اور ٹکنالوجی اور انتظام حکومت میں بلکہ تہذیب و ثقافت میں بھی ہم سے بہت آگے ہے، وہ اس کے مقاصد نصب العین، اس کے کلچر اور معاشرت اور اس کے فکری مکاتب خیال اور دبستان سیاست و ادب اور اس کے نظام اجتماعی پر بھی اس طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح اس کے وسائل و اسباب، صنعتی آلات، اہم سائنسی اور تجرباتی علوم پر جس کے نتیجہ میں ان کو حاصل تو کچھ نہیں ہوا لیکن اس کے پیچھے اپنا سب کچھ کھو دیا، انھوں نے اس کی خاطر اپنی حقیقی قوت کا سرچشمہ اپنا راز حیات اور اپنا مقصد وجود تک فراموش کر دیا لیکن صنعتی ترقی کا وہ سہرا ان کے ہاتھ نہ آیا جس کے لئے انھوں نے یہ سب نقصانات برداشت کئے تھے، اور جو یورپ کا سب سے بڑا امتیاز ہے، ان کے پاس نہ دین باقی رہا نہ علم نہ وسائل رہے، نہ مقاصد، اگر کچھ ہاتھ لگا تو تقلید، نقل، سپر اندازی، خود فروشی، مکمل ذہنی غلامی اور اس خوان نعمت کے ان بچے کھچے ٹکڑوں اور ہڈیوں پر قناعت جو کبھی کبھی ان کی طرف پھینک دی جاتی ہیں۔

وہ مغرب کو اس انداز سے دیکھتے ہیں جس انداز سے مکتب کا کوئی لڑکا اپنے استاد یا معلم کو دیکھتا ہے، صبر و سکون کے ساتھ اس کی مار بھی سہہ لیتا ہے، اس کے احکام کی فوراً تعمیل کرتا ہے، اور بہت توجہ اور محنت سے

اس کے دیئے ہوئے سبق کو پڑھنا ہے، اور پھر دن رات اس کی تکرار میں گذارنا ہے۔

یہ وہ موقف ہے جس میں تنقید و رہنمائی اور ذہن و فکر کے استعمال کا کوئی محل نہیں، اس میں برابر کی سطح پر بات کرنے، دوستوں کی طرح مباحثہ کرنے اور فریقوں کی طرح اپنے دلائل دینے اور اعتماد کے ساتھ گفتگو کرنے کا کوئی جواز نہیں اس لئے یہ امر باعث حیرت نہ ہونا چاہیے کہ اس حلقہ میں کوئی ایک شخصیت ایسی نہ پیدا ہوسکی جو اس سطح سے بلند ہو، اور رُو در رُو مغرب سے بات کرسکے، اور علم و فکر، عزت و مساوات، باہمی احترام، خود اعتمادی اور اپنے دین و اخلاق پر یقین و اطمینان کی بنیاد پر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکے، اور اس کا مقابلہ کرسکے۔

دوسرے موقف کے علمبردار اس کے برخلاف بہت زیادہ جذباتی نظر آ رہے تھے، اور مغرب کے اقتدار و تسلط کے خلاف اُن کے اندر بہت غم و غصہ تھا، نتیجہ یہ تھا کہ اُن کی کوششیں اکثر و بیشتر سیاسی و عسکری طور پر اس کے مقابلہ پر مرکوز رہیں، انھوں نے اس کی کوشش نہیں کی کہ اپنے دشمن سے واقفیت حاصل کریں اور اس کے رازوں اور اندر کی باتوں، اس کی اچھائیوں اور برائیوں، اس کے کمزور پہلوؤں اور طاقتور حصّوں دونوں کو اچھی طرح سمجھ لیں انھوں نے نہ اس کے علم و صنعت اور حربی تیاری سے فائدہ اٹھایا نہ صالح مقاصد اور نیک محرکات اور صحیح عقیدہ و دعوت کے میدان میں (جس میں وہ بالکل تہی دامن تھا) خود اس کی کوئی مدد کی۔

وہ اس کی نجات کے خواہاں ہونے کے بجائے اس سے متنفر اور اس کی

ہلاکت کے متمنی رہے ہیں، ان کے اندر یہ درد نہ پیدا ہوا کہ یہ قوم المناک انجام کی طرف بڑھ رہی ہے، انھوں نے صرف یہ دیکھا، فاتح واقبال مند مغرب ان کی زمین پر قابض ہے اور ان کے املاک اس کے زیرنگیں ہیں، اس پر غور نہیں کیا کہ وہ اُن کے عقائد وخیالات اُن کے ایمان اور اسلامی ورثہ پر بھی قابض ہے، اور ان کی وہ دعوت بھی (جو ہر قسم کے لین دین، احساس شکست اور سود وزیاں کی میزان سے بالاتر اور جاہلی خیالات وافکار سے ہمہ وقت اور ہر جگہ برسر پیکار ہے) اس کی زد میں بلکہ اس کے پنجہ یا شکنجہ میں ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب کو فکری وذہنی تسلط کا راستہ کھلا ہوا ملا اور اس کی نئی نسل تعلیم یافتہ طبقہ یورپ میں جانے والے تعلیمی وفود اور حلقۂ ادب وصحافت میں اپنے مسموم افکار کی اشاعت کی کھلی چھوٹ حاصل ہوگئی، اس پوری مدت میں ان لوگوں کو اس سنگین خطرہ کا احساس ہوا نہ اس معرکہ اور کشمکش کی صحیح حقیقت ان پر منکشف ہوئی، وہ یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ مغرب کا رُخ کدھر ہے، اور اس کا نشانہ کون ہے، اور اس لڑائی میں کس طرح کے اسلحہ تیار کر رہا ہے، ان سے اس بات کی توقع بھی نہ تھی کہ وہ ایک آزاد وپُر اعتماد اور باخبر اور صاحبِ علم وشعور انسان کی طرح اس کا سامنا کرتے اور اس کی مدد کرنے کی بات سوچ سکتے، اور ان کے دل میں اس کو اس دلدل سے نکالنے کا خیال آیا جس میں وہ بری طرح پھنسا ہوا ہے۔

دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلے فریق نے خود اپنے آپ کو مغربی افکار کے سمندر اور اس کی سیاسی اور اجتماعی موجوں کے حوالہ کر دیا اور دوسرے فریق نے یہ ناکام کوشش کی کہ تیراکی کا فن سیکھے بغیر اور اس سمندر کی گہرائی اور

وسعت کا اندازہ لگائے بغیر اس کو پار کرلے۔

لیکن ان دونوں انتہا پسندانہ راستوں کے درمیان ایک راستہ اور ہے' اور وہ ایک ایسے سنجیدہ' مُدبّر اور صاحب بصیرت انسان کا راستہ ہے' جو مغرب کا پوری طرح منکر ہے' اور نہ ساری خرابیوں کے ساتھ اس کو قبول کرنے پر مصر' وہ اس کے وسائل و ذرائع (جو اس زندگی کو آرام وہ بنانے کے لئے وجود میں لائے گئے) اور اس کے ان باطل نظریات قابل نفرت کلچر اور مخرب اخلاق' اطوار و عادات کے درمیان خلط ملط نہیں کرتا جو اعلیٰ انسانی اقدار اور برتر و پاکیزہ صفات اور اصولوں سے متصادم ہیں۔

اس موقف کے حامل مغرب کی ہر چیز کو شر محض سمجھتے ہیں یا نہ خیر محض' نہ اس کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہیں' نہ اس میں تحلیل ہونے کی کوشش کرتے ہیں' وہ اس کے صرف سیاسی و اقتصادی تسلط کا مقابلہ نہیں کرتے بلکہ اس سے پہلے وہ اس مادہ پرستانہ روح اور انانیت' شکم پرستی اور ہوس' ملک گیری کی اسپرٹ کا مقابلہ کرنے میں جو اس کے رگ و ریشہ میں لہو کی مانند رواں ہے وہ "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے اصول پر اس کے اچھے اور صالح حصہ کو قبول کرتے ہیں' اور آلودہ و ناصالح حصہ کو مسترد کردیتے ہیں' اس کی ٹیکنالوجی اور صنعت و حرفت کی ترقی سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں' جن پر کسی قوم کی اجارہ داری نہیں' اور جو پوری انسانیت کی ملکیت ہیں' اور اس کی اس تہذیب و ثقافت اور کلچر اور معاشرت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے' جس سے زندگی کا سانچہ تیار ہوتا ہے' اور اخلاقی قدریں وجود میں آتی ہیں۔

وہ مشرق اسلامی کے بہت سے سادہ لوح افراد کی طرح یہ نہیں سمجھتے کہ اس مادی اور صنعتی ترقی کا راز (جس میں مغرب اپنے ہمعصروں سے آگے ہے) یہ مادی ہر قید و بند سے

آزاد اور ضابطہ و قانون سے بے نیاز روح ہے بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اس ترقی کا راز نظم و انتظام اور صنعت و تجارت اور وہ تجرباتی اور میکانکی علوم ہیں جن کا زندگی کے مقاصد اور اس کی تعمیر و تشکیل سے کوئی تعلق نہیں، وہ پوری اخلاقی جرأت اور خود اعتمادی کے ساتھ اس کا اعلان کرتے ہیں، اور مغرب کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اس کو اپنی ترقی کے اس اہم عنصر کی حفاظت ضرور کرنا چاہیئے، لیکن اسی کے ساتھ مشرق سے دین، اخلاق اور نبوی تعلیمات کی روشنی لے کر تمدن و ترقی کا حقیقی مقصد بھی پورا کرنا چاہیئے۔

وہ نہ محض ایک بیزار ناقد اور نکتہ چیں کی طرح اس کی ہر بات میں کیڑے نکالتے ہیں، نہ ایک مطیع و سعادت مند شاگرد یا زر خرید غلام کی طرح اس کے سامنے احساس ذلّت اور احساس کمتری کے ساتھ سر تسلیم خم کرتے ہیں، اور ہر بات پر آمنّا صدّقنا اور سمعنا و اطعنا کہتے ہیں، وہ پوری جرأت و قوت اور خود اعتمادی کے ساتھ اس کو ٹوکتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ تم نے یہ صحیح کیا اور یہ غلط کیا، بس فرق صرف یہ ہے کہ جہاں تم نے صحیح راستہ اختیار کیا اس کا معاملہ آسان ہے، اور جہاں غلط قدم اٹھایا وہ بہت نازک اور سخت مقام ہے، اول الذکر کا معاملہ وسائل و ذرائع، علم و صنعت اور ملک کے تدبیر و انتظام تک محدود ہے، اور اس میں کچھ کوتاہی ہو جائے تو انسانیت کا کوئی بڑا نقصان نہیں ہوگا، اس کے برخلاف جہاں تم نے غلطی کی ہے، اس کا تعلق طاقت اور وسائل و ذرائع کے استعمال، مقصد زندگی کے تعین، انسان اور کائنات کے متعلق نقطۂ نظر، نبوت و ہدایت کی راہ سے انحراف اور اخلاق و اعلیٰ قدروں کے خلاف بغاوت سے ہے، اس لئے اس کی اہمیت اول الذکر سے کہیں بڑھ کر ہے۔

اس نئی کتاب میں بڑی قوت و خود اعتمادی اور ساتھ ہی بڑی خوش اسلوبی اور

شیریں بیانی کے ساتھ اس نئے موقف کی دعوت دی گئی ہے، اس میں اصحاب فکر و نظر کے سامنے مغرب سے گفتگو کا ایک ایسا انداز اور طرز پیش کیا گیا ہے جس میں نہ پہلے فریق کی سی کمزوری اور معذرت طلبی، مغرب سے آنے والی ہر چیز کی عظمت اور اس کے علم و فکر اور عمل و طریقۂ کار کا ضرورت سے زائد احترام ہے، اور نہ نفرت و رقابت اور انتقام کا کوئی جذبہ اس کے پیچھے کار فرما ہے جس کی پرچھائیں مشرق اسلامی کے ان سیاسی رہنماؤں کے افکار میں ملتی ہے، جو انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں پیدا ہوئے اس لئے کہ یہ دونوں طریقے مشرق و مغرب کی انسانیت عامہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے، اور ان سے اس دعوت کا مدعا بھی پورا نہیں ہوتا جو خاص طور پر مسلمانوں کی ذمّہ داری اور فرض منصبی ہے۔

اس کتاب میں مصنّف نے ایک مثالی داعیِ اسلام کی تصویر پیش کی ہے، جو مغرب کو اسلام کی دعوت بغیر کسی معذرت و شرمندگی کے دیتا ہے، اور اس کے لئے غیر ضروری تاویلات کا سہارا نہیں لیتا، وہ اس کو کھل کر یہ دعوت دیتا ہے کہ وہ بنی نوع انسان کی قیادت میں اپنا اہم کردار ادا کرے اور زندگی کا رُخ تبدیل کر دے وہ یہ کہتا ہے کہ یہ علوم اور وسائل پوری انسانیت کو بلا تفریق و امتیاز حقیقی سعادت و کامیابی سے ہمکنار کر سکتے ہیں بشرطیکہ ایمان اور صالح مقاصد کے ساتھ ان کا جوڑ ہو، لیکن وہ صرف اس پر اکتفا نہیں کرتا وہ اہلِ مغرب کو اس انانیت، تکبّر، استغنا، اور علمی غرور کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے، جو قبولِ حق کے راستہ میں حائل ہو گیا ہے اور اس کی وجہ سے روشنی کے سارے روزن اس پر بند ہو چکے ہیں، اور یہ سب بڑی ہنرمندی و ذہانت، حکمتِ ایمانی اور اخلاص و دردمندی کے ساتھ کہا گیا ہے، اور دلی کرب و بے چینی کا

آئینہ دار ہے۔

انھوں نے ان نوجوانوں سے بھی (جو یورپ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کررہے ہیں) خاص طور پر اپیل کی ہے کہ اس پُرفریب تہذیب سے متأثر نہ ہوں جس کا ظاہر خوشنما و روشن اور باطن تیرہ و تاریک ہے، وہ یورپ میں داعی اور رہنما بن کر رہیں، سعادت مند شاگرد اور مقلد جامد بن کر نہیں، وہ مغرب و مشرق کے درمیان ایک نیا پل بلکہ دوسرے الفاظ میں ایک نئی نہر سوئز تعمیر کریں، جو مشترک مفاد کی بنیاد پر قائم ہو وہ اس حالت میں اپنے وطن واپس جائیں کہ اسلام کی ابدیت پر ان کا اعتماد پہلے سے زیادہ مستحکم و غیر متزلزل ہو اور ان کے جگر میں مغرب کا اور اس مظلوم انسانیت کا درد پہلے سے زیادہ دوچند ہو، جو تباہی کے غار کی طرف بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے اس لحاظ سے یہ کتاب دو خوبیوں کی حامل ہے، یعنی اس میں ایک طرف خود مغرب کو اپنا رُخ جاہلیت سے اسلام کی طرف پھیرنے کی دعوت ہے اور دوسری طرف یورپ کے مسلم نوجوانوں کو اس بات کی دعوت ہے کہ وہ زندگی کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد داعی اور قائد کی پوزیشن ملحوظ رکھیں، اس میں وہ نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے، جو مغرب کے بارہ میں ایک مسلمان کو اختیار کرنا چاہیئے اور جو مغرب کے مسموم اثرات اور اس کے وبائی حملوں میں حصار کا کام دے سکتا ہے، اور مسلمان کو اپنا تابناک اور متوقع کردار ادا کرنے کے قابل بنا سکتا ہے، اور آخر کار (خدا کی نصرت و توفیق سے) اس کو غالب اور فتحیاب بھی کر سکتا ہے۔

یہ کتاب اصلاً عربی میں تھی سلمان شمسی ندوی نے جو ترجمہ و تحریر کا ذوق رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً جرائد و مجلات میں لکھتے رہتے ہیں اس کتاب کے متفرق مضامین کو جو اکثر اردو میں منتقل ہو چکے تھے، مرتب کیا ہے، ان تقریروں کے ترجمے میں مختلف قلم شامل ہیں،

اپنے موقع پر ان کا ذکر کر دیا گیا ہے، اب یہ کتاب "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" کی طرف سے شائع ہو رہی ہے خدا کرے یہ مقبول ہو اور اسلام کی برتری اور بالاتری اور حسن و خوبی کا دل آویز نقش مغرب زدہ دلوں اور دماغوں میں از سر نو قائم کر دے "وما ذلک علی اللہ بعزیز"

راقم الحروف کی خوش نصیبی ہے کہ اس کو اس بیش قیمت کتاب کا مقدمہ لکھنے کا موقع ملا، جو کتاب کی خدمت و تعارف سے کہیں زیادہ خود مقدمہ نگار کے لئے باعث سعادت اور موجب برکت ہے ؎

حکایت از قد آں یار دل نواز کنیم
بایں بہانہ مگر عمر خود دراز کنیم

محمد الحسنی

۳۷ گوئن روڈ لکھنؤ

۱۱ر دسمبر ۱۹۷۲ء مطابق ۴ر ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

انسانیت کا پیغام

مشرق و مغرب کے نام

یہ تقریر ۱۱؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو لندن یونیورسٹی کے یونین ہال میں کی گئی تھی۔
جس میں طلباء، اساتذہ، محققین اور مصنفین کی بڑی تعداد شریک تھی۔

انسانیت کا پیغام

مشرق و مغرب کے نام

مشرق و مغرب کی درمیانی خلیج

انگریزی کے ایک بڑے شاعر کپلنگ (KIPLING) نے کہا تھا کہ "مشرق مشرق رہے گا، اور مغرب مغرب، دونوں کبھی مل نہیں سکتے"۔

یہ بات اگرچہ ایک ادیب کی زبان سے نکلی تھی جو اس صدی کی ابتدا میں فوت ہوا ہے، مگر دراصل یہ ایک تصور ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی خاص نظریہ یا تصوّر کسی سوسائٹی میں کبھی قبول ہو جاتا ہے، اور افراد کے عقائد و جذبات کے بنانے اور ان کی پرورش میں اس کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے، پھر اسی نظریہ یا تصور کو کوئی شاعر جو اپنی سوسائٹی کا ترجمان ہوتا ہے اپنے بلیغ انداز میں موزوں کر دیتا ہے، جو ایک ضرب المثل بن کر پھیل جاتا ہے، پھر ہر دور میں اس کے بعد آنے والی نسلیں ہر جگہ اس کو دہراتی ہیں، اور ایک اصول و کلیہ کی طرح اس پر ایمان رکھنے لگتی ہیں۔

مگر اس تصوّر نے انسانی مفاد کو جتنا نقصان پہنچایا ہے، اور جس درجہ اس نے انسانی وحدت کے اصول کو پارہ پارہ کیا ہے، اور ان کے اندازِ فکر پر جو ستم ڈھایا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے نظریہ نے اس قدر نقصان پہنچایا ہوگا کیونکہ یہ تصوّر ہی نوعِ انسان کے خاندان کو مشرق و مغرب کی دو ٹولیوں میں تقسیم کر دیتا ہے،

کہنے کو تو یہ ایک سادہ سی بات یا تاریخی حقیقت ہے مگر لوگ اس کے بعد سے ہمیشہ مشرق و مغرب کو اس نظریہ سے دیکھنے لگے کہ یہ دو حریف کیمپ ہیں، یہ اوّلاً تو کبھی مل نہیں سکتے، اور اگر ملے تو میدانِ جنگ ہی میں مل سکتے ہیں، اور اگر کبھی اکٹھا ہوئے بھی تو ایک دوسرے کی ہجو کریں گے، اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس کی برائیاں نکال کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کریں گے۔

صدیوں سے مشرق و مغرب کا یہی انداز ہے، دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور اگر سمجھا بھی تو ان سطحی اور ناقص معلومات کی روشنی میں جو صرف ان کے کمزور پہلو ہی پر مبنی تھے، ان کے اندر جو خوبیاں ہیں، طاقت اور روشنی کے جو چشمے ہیں، ان سے اکثر غفلت برتی گئی، ایک نے دوسرے کو جب دیکھا تو شک، خوف اور بدگمانی کی نگاہ سے دیکھا یا پھر نفرت و ناپسندیدگی کی نگاہ سے!

اس خلیج کا اصل سبب

سب سے پہلے مشرق و مغرب کا سامنا صلیبی جنگوں کے موقع پر ہوا تھا، ان جنگوں کے موقع پر جو عقیدہ مشرق پر حملہ آوروں کو ابھار رہا تھا، اور وہ روح جو ان کے اندر کارفرما تھی، اور ان کے اندر جو جوش و ولولہ پیدا کر رہی تھی اس کی بنیاد ان قصوں پر تھی، جو انھوں نے مسلمانوں کے بارے میں سن رکھے تھے، اور جن کو وہ صحیح سمجھ رہے تھے، اور اس بنیاد پر تھی کہ ان سے یہی کہا گیا تھا کہ — ''یہ جنگ اس لئے ہے کہ مقدس سرزمین کو وحشی بت پرستوں کے چنگل سے

نجات دلائی جائے" اس کے علاوہ جنگ کی سیاہ اور بھیانک فضا کبھی بھی کسی برسرپیکار لشکر کو اس کا موقع نہیں دے سکتی کہ وہ دوسرے فریق کی خوبیوں کو دیکھ کر اس کے جوہر کو پرکھ کر، اس کے عقائد کا مطالعہ کر کے اس کی قدردانی کرے اور شریفانہ و مساویانہ اصول پر باہمی مفاد کے لئے کام کرنے کی راہ ہموار کرے لیکن اس کے باوجود تاریخ تمدن کی مانی ہوئی حقیقت ہے کہ صلیبی جنگیں فائدے سے خالی نہ رہیں، اور مشرق و مغرب کے درمیان خلیج اگر پاٹی نہ جاسکی تو تنگ ضرور ہو گئی۔

مشرق و مغرب کا باہمی تعارف بہت قریب ہے اس وقت ہوا جب کہ انیسویں صدی میں مغرب نے سیاسی یا اقتصادی مفاد کی خاطر اپنا آہنی اور مضبوط ہاتھ مشرق کی طرف بڑھایا اور اپنا ہاتھ یکے بعد دیگرے مشرق کے ممالک پر تسلّط کیا اور اس کے ساتھ اپنے تمدّن، صنعت، سائنس اور کلچر کے ساتھ یلغار کی، اور اپنے طرز حکمرانی کے اچھے اور بُرے دونوں پہلوؤں میں اس مشرق کو دبوچ لیا جو تمدّن اور جنگی صنعت میں بہت پیچھے تھا، مشرق کو حملہ کی دہشت نے بہت دنوں تک تو اس کا موقع ہی نہ دیا کہ وہ مشرق کو ذرا گہرائی کے ساتھ دیکھ سکتا اور اس کے اصول اور جوہر و کمالات سے فائدہ اٹھا سکتا، اور مجھے معاف کیجئے اگر میں یہ بھی کہہ دوں کہ ایک اور بات جو مانع رہی وہ خود مغرب کا تمدّن تھا جو اس وقت اپنے شباب و رعنائی کی آخری منزل پر تھا، اور اس کے اندر وہ تمام باتیں تھیں جو کسی ایسے تمدّن میں پائی جاتی ہیں، جس کے اندرونی عنصر کمزور ہو چکا ہو، اور ایک بار پھر معذرت کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کے

علاوہ ایک اور بات جو مشرق کے لئے مانع ثابت ہوئی وہ یورپین حکام کا طرز عمل تھا جس میں ان کے احساس برتری، غرور حکمرانی اور اپنے آپ کو پیدائشی طور پر اس قوم کے مقابلہ میں برتر سمجھ کر سلوک کرنے کا دخل تھا جس کے ہاتھوں سے انھوں نے زمام حکومت چھینی تھی، اور جو کل تک ملک کا حکمراں تھا جس کا احساس ذکی اور جس کے جذبات نازک تھے، یہ سلوک احترام وانسانیت کے اس نظریہ سے کسی طرح میل نہیں کھاتا تھا جس کا مغرب داعی تھا، اور نہ جمہوریت کے اصول کے مطابق تھا جس کی یہ فاتح قوم اپنے ملک میں مدافعت کیا کرتی تھی۔

اس خلیج کے چند مضر نتائج

پھر اس کے نتیجہ میں کمزور مشرق کے اندر ہتھیار ڈال دینے (SURAENDAR) اور فاتح وطاقتور مغرب کے سامنے جھک جانے اور اس کے معیار وافکار کو ضرورت سے کہیں زیادہ اہمیت دینے اور اس کے مظاہر تمدن اور طرز معاشرت کی تعظیم کرنے اور اسی کی تقلید کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا جس نے اس مشرق کو مغرب کا دریوزہ گر بنا دیا وہ زندگی کی ہر منزل میں اس کو قابلِ تقلید نمونہ سمجھنے لگا، اور زندگی میں پس خوردہ کھانے والے اور قافلہ کے پیچھے پیچھے چلنے والوں کی صف میں آگیا، اس بات نے مغرب کو ایسا موقع نہیں دیا کہ وہ مشرق کو مساوات واحترام کی نگاہ سے دیکھتا، چہ جائیکہ اس کو عظمت وقدردانی کی نظر سے دیکھتا یا اس سے رہنمائی یا ہدایت کی توقع کرتا یا اس سے تخلیقی کارناموں کی امید کرتا جبکہ خود مشرق ہی قریب اپنا وجود مغرب کے اندر فنا کر چکا تھا۔

قومی عصبیت

اس کے بعد مشرقی قوموں پر قومیت کے نظریہ نے یلغار کی وہ نظریہ جس کو مغرب نے عارضی طور پر ایک آسان حل کے طور پر قبول کیا تھا جو اس کے اندر دینی جوش پیدا کرتا تھا پھر خود ہی مغرب نے اس نظریہ کی خرابیوں کو سمجھا اور اس کو خیر باد کہا، بہر حال اس نظریہ قومیت نے ان مشرقی قوموں کو جو آسمانی پیغام اور عالمی دعوت رکھتی تھیں اس کا موقع نہیں دیا کہ وہ مغرب کی طرف پھر ایک بار مدد اور دوستی کا ہاتھ بڑھا سکتیں، اور پھر انسانیت کی مدد کے لئے اس طرح بڑھتیں جس طرح ہر مصیبت کے وقت پہلے بڑھا کرتی تھیں، اور انسانیت کو ایک نئی زندگی نیا خیال اور پُر مسرت زندگی کی نئی بنیادیں فراہم کر سکتیں، بلکہ یہ قومیں خود ہی اپنی ذات، اپنے مسائل اور قومی مفاد کے معاملات میں الجھ کر رہ گئیں اور اپنے آپ کو نسلی یا لسانی یا جغرافیہ کی تنگنائی میں محدود کر لیا اور اس طرح وہ قوت و زندگی سے بھرپور، صاف و شفاف، قدیم و رواں سرچشمہ ہاتھ سے نکل گیا، جو دنیا بھر کے لئے روشنی کا منارہ تھا، اور تاریخ کے ہر دور میں دینی ہدایت کا ذریعہ تھا۔

مستشرقین کی تحریک

مغرب میں اس کے بعد مستشرقین اور تحریک استشراق کا دور آیا، اور اُمید ہو چلی تھی کہ یہ حضرات مشرق و مغرب کے درمیان منصفانہ نہج کے ایک پل ثابت ہوں گے، اور اس وسیع و عریض خلیج کو پاٹ دیں گے، جو انسانیت کے دو خاندانوں کے درمیان قائم ہو گئی ہے، اور اس بے رخی کو دور کر دیں گے جسے ناواقفیت اور دوری نے پیدا کر رکھا تھا

اور وہ مشرق کی بہترین ثروت یعنی تعلیماتِ رسالت، بنیادی اخلاق، انبیاء اور دینی شخصیتوں کی سیرتیں نیز مشرق کی شاندار میراث اور اس کے بہترین تخلیقی سرمائے اور حیرت ناک دستوری کارنامے منتقل کر سکیں گے اور بلاشبہ انھوں نے اس سلسلہ میں بہت کچھ کیا، صدیوں کی ذخیرہ شدہ قلمی کتابیں جن کو سورج کی روشنی نہیں لگی تھی، ان مستشرقین نے انھیں زندہ کیا، ان کی تصحیح پر محنت صرف کی ان کو اصل ماخذ سے ملایا اور پھر شائع کیا، اسی طرح ایسی کتابیں مرتب کیں جن کی قدر و اہمیت کا انکار ممکن نہیں اور کوئی شخص بھی جس میں ذرّہ برابر انصاف کا مادہ اور علمی ذوق ہے ان کی علمی روح کا انکار نہیں کر سکتا، انھوں نے اس راہ میں جو مشقتیں برداشت کیں اور اپنی کوشش میں وہ جس طرح سرگرداں رہے، پھر ان کا عالمانہ طرز، باریک بینی اور گہرائی کوئی بات بھی ان میں سے قابل فراموش نہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں کا احساس ہے کہ ان میں سے اکثر مستشرقین پر علمی جذبۂ خدمت سے زیادہ مذہبی رجحان غالب رہا، اس لئے علم دوست اور حقیقت پسند طبقہ اس بات کا منتظر تھا کہ یہ حضرات مذہبی جذبات اور گذشتہ صدیوں کے تلخ اثرات سے کچھ زیادہ محفوظ نظر آتے، ان میں حقیقت پسندی سچائی کی جستجو اور اس کے اعتراف کا زیادہ حوصلہ ہوتا بہر حال یہ استشراق بھی باوجود اپنی قابل قدر خوبیوں اور گوناگوں کارناموں کے اس خلاء کو پُر نہ کر سکا اور اس مغرب کو جہاں محققین کی کمی نہیں وہ چیز نہ دے سکا جو مشرقی ممالک سے اٹھنے والے عموماً تمام مذاہب اور خصوصاً اسلام کی سچی اور تابناک تصویر تھی جس کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ ایک آخری آسمانی اور ہمیشہ باقی رہنے والا دین ہے جس کے اندر تمام نبوتوں کی تعلیمات اور آسمانی ہدایتیں اپنی آخری اور جدید

تشکل میں موجود ہیں، اور اس زمانے کے عین مطابق ہیں، جو تمدن کو پیچھے لے جانے کی دعوت نہیں دیتا جیسا کہ بعض دوسرے مذاہب میں معلوم ہوتا ہے بلکہ اس تمدن کو اسلام آگے بڑھانے کا داعی ہے، اور اس کا خواہشمند ہے کہ اس کی انتہا پسندی اور جمود یا مبالغہ آمیزی سے پاک کر کے ایک نئے انداز میں ڈھال دیا جائے، جو اپنی قوت و زندگی میں نئی سوسائٹی کی ضروریات کا پورا پورا کفیل ہو۔

بہر حال جو بھی اسباب رہے ہوں لیکن یہ واقعہ ہے کہ مغرب و مشرق اپنے پیغام اور اپنی ذات کی انفرادیت کے ساتھ الگ تھلگ رہے، ان دونوں کا سامنا اگر ہوا تو شکوک و شبہات اور بغض و کینہ کے طوفان کے اندر ہی ہوا، یہ دونوں انسانیت کے مفاد مشترک اور مثالی تمدن کی تعمیر کی خاطر کبھی یکجا نہیں ہو سکے، یہ دونوں انسانی علوم اور قدرت کی بخشی ہوئی اندرونی صلاحیتوں اور فطری جوہر اور علم و فلسفہ کے میدان میں پیشتوں کی کاوش کے باہم تبادلہ پر تیار نہیں ہوئے، نادر ہی کبھی راضی ہوئے بھی تو محدود دائرے میں راضی ہوئے۔

مشرق کا امتیاز

مشرق اپنے قدرتی ماحول میں کام کرتا رہا، اس کا خمیر مذہب کے ساتھ اٹھایا گیا اور اسے قابل عظمت نبوت کے بعد دیگرے بیدار کرتی رہی، دینی دعوتوں، طاقتور روحانی شخصیتوں نے اس کو غذا دی، اس کا موضوع اور میدان عمل انسان تھا، وہ انسان کے گرد و پیش "انسان سازی" میں لگا رہا، اس کے لئے اس نے اپنی فطری صلاحیتیں صرف کیں، اپنی ذہانتوں اور قوت ارادہ کو نذر کر دیا، اس نے کوشش کی کہ انسان اس گہرائی کا پتہ لگائے جس کی کوئی تھاہ نہیں ہے، اس کے اسرار کا سراغ لگائے،

جس کی کوئی آخری حد نہیں، اس کی اندرونی صلاحیتوں کے سوتوں کو اُبھارے اور اس کی اس قوت کو بیدار کرے جس کا مقابلہ کسی دوسری قوت سے نہیں کیا جا سکتا، اس کے جذبات و رجحانات کو ایک رُخ پر لگائے اور اس کے اخلاق و اطوار کو سنوارے جن کے بغیر وہ اپنے صحیح مرکز پر نہیں آسکتا۔

نبوّت کی چارہ سازی

انبیاء کرام علیہم السلام اور ان سب کے بعد نبی اُمّی عربی صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جنھوں نے اس انسان کی تربیت کو اپنا اول و آخر موضوع بنایا۔ انسان کے اندر کی پوشیدہ طاقت کے سرچشمہ کو ابھارا، اس کی چھپی اور پوشیدہ صلاحیت کو بیدار کیا، اور اس کے دل کی وہ آنکھ کھول دی جس کے ذریعہ وہ اپنے خالق اور اس عظیم کائنات کے مالک کو دیکھ سکے اور اس کے ذریعہ روشنی و حرارت، زندگی، محبت، اعتماد، عزم، قلبی سکون اور اطمینان حاصل کر سکے اور جس کے ذریعہ اس کائنات میں وہ زندگی، قوت اور تنظیم کے اصل سرچشمہ سے واقف ہو سکے اور وہ مرکز پا سکے جس سے اس دنیا کی منتشر اکائیوں کو ایک وحدت میں پرویا جا سکتا ہے، اس کے لئے کائنات ایک ایسی اکائی (UNIT) بن جائے جس میں نہ کوئی انتشار ہے، نہ تضاد، نہ انارکی اور نہ یہ دنیا اس چھوٹی چھوٹی خود مختار اور بے لگام ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے جس کے آپس میں جنگ و جدال کا سلسلہ قائم رہتا ہے بلکہ یہ پوری کائنات ایک مملکت بن جاتی ہے جس کو ایک طاقت ور اور رحم دل ارادہ چلا رہا ہے جس کے یہاں مشرق و مغرب کی کوئی تفریق نہیں۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا۔ (المزمل - ۹)

وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے اس کو کارساز ٹھہراؤ۔

انسانیت کا نیا تصوّر

اس طرح انسان بُت پرستی، دیوپرستی، اوہام و خرافات، من گھڑت کہانیوں، فرسودہ افسانوں اور رسم پرستی کے تمام بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے، اس طرح وہ خالق اور مدبر کائنات کے علاوہ کسی کے آگے بھی سرنگوں ہونے کی ذلّت سے نجات پا جاتا ہے، خواہ وہ پتّھر ہو یا درخت، دریا ہو یا نہر، آفتاب ہو یا ماہتاب، فرشتہ ہو یا انسان، مرد ہو یا عورت۔

دل کی آنکھ جس کو انبیاء علیہم السلام کھول دیتے ہیں، اس سے انسان جب اپنی طرف اور اپنی نوع کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اس عالم میں اللہ کا خلیفہ پاتا ہے جس کے اندر خالق کائنات نے اپنی روح پھونکی ہے، اور اس کو اپنا امین اور رازداں بنایا ہے، اس کو بہترین متناسب اعضاء کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اس کی عزّت افزائی کی، دنیا کی تولیت اور انتظام کا ذمّہ دار ٹھہرایا، امامت ورہبری کا تاج پہنایا، دنیا کی ہر شئے اس کی خاطر پیدا کی اور اس کو اپنے لئے پیدا کیا، اس کے آگے فرشتوں سے سجدہ کرایا، اور اس طرح اس کے لئے حرام کردیا کہ وہ کسی مخلوق کے آگے سرنگوں ہو۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

ہم نے انسان کو بہترین و متناسب

فِیٓ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۝ (التین۔۴)	اعضاء کے ساتھ پیدا کیا۔
وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِیۡٓ اٰدَمَ	ہم نے بنی آدم کو اعزاز بخشا اور
وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ	ان کو بر و بحر میں سواری پر بٹھایا،
وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	ان کو پاکیزہ رزق دیا، اور
وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا	اپنی بہت سی مخلوقات پر
تَفۡضِيۡلًا ۝ (بنی اسرائیل۔۷۰)	فضیلت بخشی۔

پھر اس انسان نے اس نبوت کی بخشی ہوئی چشم دل سے جب اپنے ہم جنس انسانوں اور اس انسانی خاندان کو جو روئے زمین پر مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے دیکھا تو اس کو ایک خاندان نظر آیا، جو ایک ہی سا وجود رکھتا ہے، ایک ماں اور ایک باپ کی سب اولاد ہیں، اس کو تعلیمات نبوی کی روشنی میں خدا کا کنبہ (عیال اللہ) باور کیا اور یقین کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہوگا، جو اس خدائی کنبہ کے لئے سب سے زیادہ مفید و کار آمد ثابت ہوگا اور محسوس کرے گا کہ جس طرح وہ جان اور احساس رکھتا ہے اسی طرح خاندان بشریت کا ہر فرد زندگی اور حس رکھتا ہے، اور ہر فرد کو اسی طرح درد و الم محسوس ہوتا ہے جس طرح وہ محسوس کرتا ہے، لہذا اس ایک خاندان کے افراد کے درمیان، رنگ و نسل، قومیت و وطنیت دولت و افلاس کی بنا پر تفریق و تمیز دور جاہلیت کی یادگار ہے، اس انسان نے نبی کریم کو ایک طرف رات کی تاریکی اور تنہائی میں خدا کے سامنے ان الفاظ میں گواہی دیتے ہوئے سنا:۔

انا شھید ان العباد کلھم   میں گواہ ہوں تیرے سب بندے

اخوۃ۔ بھائی بھائی ہیں۔

دوسری طرف دن کی روشنی میں ایک بڑے مجمع کے سامنے یہ اعلان کرتے ہوئے سنا:

یا ایہا الناس کلکم من آدم	اے لوگو تم سب لوگ اولاد آدم ہو،
وآدم من تراب لا فضل	اور آدم خاک سے پیدا کئے گئے تھے،
لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی	نہ عرب کو غیر عرب پر اور نہ غیر عربوں کو
عربی ولا ابیض علی اسود ولا	عرب پر کوئی فضیلت یا ترجیح حاصل
اسود علی ابیض الا بالتقوی۔	ہے، نہ گورے کو کالے پر نہ کالے کو گورے
	پر، بڑائی صرف پرہیزگاری سے ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یَآ اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ	اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور
مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ	ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو
شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔	قبیلوں اور قوموں میں اس لئے
اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ	بانٹ دیا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے
اَتْقَاكُمْ۔	کو پہچانا جا سکے، تم میں سب سے زیادہ
(الحجرات۔ ۱۳)	شریف وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ
	پرہیزگار ہے۔

انبیاء کی دعوت اور طریقۂ کار

انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم نے اپنے اپنے دور میں اور اپنے اپنے حلقۂ دعوت میں اور نبی عربی اُمّی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے بعد اس انسان کی تربیت پر ساری

توجہ مرکوز فرمائی اور یہی کوشش کی کہ انسان کی فطری استعداد و قابلیت کو ابھار دیں جس کا کوئی فلسفہ یا علم النفس (سائیکلوجی) ابھی تک سراغ نہیں لگا سکا، اور نہ اس کی تہہ تک پہنچ سکا ہے، پھر ان صلاحیتوں کو منظم کر کے اس کی ذاتی اور پوری انسانیت کی اصلاح و درستی کی طرف موڑ دے انسان کے اندر خدا کو راضی کرنے کی عجیب و غریب محیر العقول تڑپ پیدا کر دی، اس کی طاعت میں مر مٹنے کا جذبہ پیدا کر دیا، اس کی مخلوق کی خدمت کو اس کا نصب العین بنا دیا، انسانوں کے قلوب کو خوش کرنا اور ان کو مصائب سے دور رکھنا اس کا مقصد زندگی بن گیا، اپنی ذات پر دوسرے کو ترجیح دینے اور اپنی ذات کا بڑی گہرائی اور باریک بینی کے ساتھ محاسبہ کرنے کا شوق پیدا کیا، اخلاص و اخلاق کی وہ باریکیاں اس کے اندر پیدا کر دیں، جہاں بڑے بڑے ذہین انسانوں کی ذہانتیں نہیں پہنچ سکتیں، اور جس کی تہہ کو اہل علم کا علم نہیں پا سکتا، جس کی باریکیاں ادبی مضامین اور شاعرانہ تخیلات سے زیادہ نازک ہیں، جنھیں کسی چھوٹی سی چھوٹی خوردبین سے نہ دیکھا جا سکتا ہے اور نہ کسی کیمرے سے ان کی تصویر گرفت میں آسکتی ہے، غرض پیغمبرانہ تعلیم نے انسان کے اندر احساس کی نزاکت، روح کی صفائی، اخلاق کی بلندی، عزت نفس، خود پسندی سے نجات، قدرت رکھتے ہوئے دنیا کی لبھانے والی چیزوں سے بے رغبتی، حوصلہ و فکر کی بلندی، خدا سے ملنے کی تڑپ پیدا کی، ان کے یقین میں قوت عطا کی، ذات و صفات کا وہ گہرا علم بخشا جس کا تصور صرف وہی انسان کر سکتا ہے جس نے ان افراد کی سیرتوں کا صحیح طور پر اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا ہو، خلاصہ یہ کہ نبوت کا سب سے بڑا کارنامہ انسان ہے، اور یہی انسان انبیاء کرام کا محور عمل ہے، ان کی کھیتی ہے جس میں

انھوں نے تخم ریزی کی جوان کی کاوشِ جگر سے لہلہا اٹھی اور برگ و بار لائی۔

محض وسائل کافی نہیں

حضراتِ انبیاء نے اپنا میدانِ عمل یہ نہیں بنایا کہ وہ صرف اس کائنات کی پوشیدہ قوتوں کا انکشاف ہی کریں، اس کو قابو میں لائیں اس سے کام لیں وہ آلات کے موجد تو نہ تھے، لیکن اچھے ارادہ اچھی نیت اور اچھے مقاصد کے موجد ضرور تھے، جہاں تک قدرتی دولت و صنعت کا تعلق ہے آپ کو معلوم ہے کہ یہ چیزیں ہمیشہ سے ارادۂ انسانی کی تابع اور اس کی رہینِ منت رہا کی ہیں، لہٰذا جب بھی انسان کا ارادہ اچھا ارادہ اور اس کا مقصد پاکیزہ مقصد ہو تو وہ اپنی محدود طاقت و دولت معمولی آلات اور کمزور و محدود وسائل سے بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے جو اس دور کا ترقی یافتہ تمدن انجام نہیں دے سکتا ہے، اور اس کے ذریعہ وہ انسان اور بنی نوعِ انسان کی وہ خدمت کر سکتا ہے جو وہ لوگ انجام نہیں دے سکتے جن کے پاس وسائل و آلات کا بڑا ذخیرہ ہے کیونکہ جب بھی کسی چیز کے انجام دینے کا عزمِ راسخ پیدا ہو گا تو نظر سے اوجھل طاقت سامنے آجائے گی، وسائل بھی پیدا ہونے لگیں گے مشکلات پر قابو بھی حاصل ہو گا اور وہ عزمِ قوی اپنا راستہ پہاڑوں اور سمندروں کا جگر پار کر نکال لے گا، اور اگر حسنِ نیت اور عزمِ راسخ ہی حاصل نہیں ہے تو وسائل بیکار آلات بے سود ہیں اور موجدوں کی ایجادیں ضائع ہیں بھوک اور پیاس کی شدت، ماں کی مامتا، محبت کی بے تابی اور شوق کی فراوانی کبھی اور کسی زمانہ میں بھی زیادہ علم یا آلات کی محتاج نہیں رہی ہے ہر زمانہ اور ہر دور میں وہ

اپنی ضرورت پوری کرتی رہی ہے، اس کو معلوم ہے کہ کس طرح اپنا مقصد حاصل کرے، انبیاء کرام نے اپنے اعلیٰ کردار اور حسنِ تربیت سے انسان کے اندر ایک ایسا ارادہ پیدا کر دیا جس کی وجہ سے وہ مکارمِ اخلاق کو اپنانے اور ان کو اپنی زندگی کا مقصد بنانے کی اسی طرح تڑپ محسوس کرنے لگا جس طرح کوئی بھوک اور پیاس کا مارا محبت کرنے والی ماں، یا عاشق بے تاب محسوس کرتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی راہ خود آسان ہو گئی، اور وسائل خود بخود حاصل ہونے لگے، جو اس زمانہ کے اعتبار سے کافی تھے، اور اس طرح وہ تمدّن وجود میں آیا جس میں "انسان" نے امن و راحت اور سربلندی و سرفرازی کا زیادہ سے زیادہ حصّہ پایا، وہ تمدّن بلاشبہ محدود اور سادہ تھا، اس میں کوئی پیچیدگی نہ تھی، نہ کوئی فلسفیت تھی، مگر اس کے اندر مستقبل میں ٹھوس اور صحیح بنیادوں پر ترقی پذیر ہونے اور وسعت پانے کی پوری گنجائش تھی۔

یورپ کی نشأۃ ثانیہ

اس کے بعد مغرب کی سرگرمیٔ عمل ایجادات اور نشأۃ ثانیہ کا دور آیا، مگر اس وقت مذہبی پیشواؤں کی بہت عرصے تک غلط نمائندگی اور ناجائز مذہبی اجارہ داری کے سبب اس کا رشتہ اخلاق و مذہب سے کمزور پڑ چکا تھا، اس گہرے تعلق کے کمزور پڑ جانے کی وجہ سے نیز اقتصادی دباؤ، سیاسی حالات اور یورپ کے محدود رقبے میں تنازع للبقاء کی کشمکش کی شدّت کی وجہ سے مغرب کی توجہ "انسان" کے بجائے انسانی ماحول اور انسان کی گرد و پیش کی دنیا پر مرکوز ہو گئی، اس نے ذاتِ انسانی کو چھوڑ کر، عالم "النفس" کو چھوڑ کر، آفاق اور قلب کو چھوڑ کر نظام قدرت کو

اپنا محورِ عمل بنایا، اس نے معدنیات، علم الکیمیا، کیمسٹری، طبیعات (فزکس) ٹکنالوجی، ریاضی اور دیگر علوم و فنون کے میدان میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں اور ناقابلِ انکار کامیابیاں حاصل کیں، اور یہ بھی نظام الٰہی ہے کہ انسان جس شئے کی جستجو کرتا ہے، اور اس کے لئے سرگرداں ہوتا ہے، وہ اس کو مل جاتی ہے، اور اس پر قابو حاصل ہو جاتا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے :۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیO	آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا
وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰیO	اور یہ کہ اس کی کمائی اس کو دکھائی
ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰیO	ضرور ہے پھر ان کو بدلہ دینا ہے
(النجم۔ ۴۱۔ ۳۹)	اس کا پورا بدلہ۔

اور ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے :۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَهٰۤؤُلَآءِ مِنْ	ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں اِن کو
عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ	اور اُن کو تیرے رب کی بخشش میں سے
رَبِّكَ مَحْظُوْرًاO	اور تیرے رب کی بخشش کسی نے
(بنی اسرائیل ۔ ۲۰)	نہیں روک لی۔

یورپ کی مادّی فتوحات

لہذا مغرب نے کائنات، صنعت و حرفت، ریاضی و انجینیرنگ کے علوم میں کامیابی کی اعلیٰ منزلیں طے کیں، ایجادوں پر ایجادیں کرتا رہا، فتوحات پر فتوحات اُسے حاصل ہوتی رہیں، یہاں تک کہ آج اس منزل پر پہونچ چکا ہے، جس کا گذشتہ صدیوں میں

تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، اور جس کی تفصیل کی یہاں حاجت نہیں اور نہ مثالوں کی ضرورت ہے، کیونکہ بلاشبہ یہ ملک علوم جدیدہ کا ایک ممتاز ترین علمبردار ہے، مغربی تمدن کا یہ ایک ممتاز مرکز و دارالحکومت ہے، خود یہ عظیم مرکز علمی (الندن یونیورسٹی) جس میں مجھے اس تقریر کا شرف حاصل ہو رہا ہے، اس تمدن کی ترقی و تعمیر میں اپنی دوسری ہم مشرب درسگاہوں کے ساتھ علوم و فنون کی سرپرستی کرنے میں نمایاں حصہ لیتا رہا ہے، ان اداروں نے وہ اسباب فراہم کئے ہیں، جن کے مظاہر سائنس اور صنعت کے میدان میں نظر آتے ہیں، لہٰذا اس موضوع پر زیادہ تفصیل بے سود اور اضاعت وقت کے مرادف ہوگی۔

بلاشبہ یہ اسباب و وسائل فراہم ہوگئے اور یہ اللہ کی نعمت ہے جس کی ناقدری نہیں کی جاسکتی، ان اسباب و وسائل کا ایک انبار آج نگاہوں کے سامنے ہے، ان کا مقصد وجود یہ ہے کہ کسی کام کا یہ وسیلہ اور آلہ ثابت ہوں بے پایاں قوت، حیرت ناک سرعت کے ساتھ مقصد براری کے وسائل جو آج حاصل ہیں، ان سے بہت کم درجہ کی چیزیں بھی پوری انسانیت کی خوشحالی کا باعث ہو سکتی تھیں، ان سے بہت کم اسباب و وسائل کے ذریعہ انسان کو پرمسرت زندگی بخشی جاسکتی تھی، عالمی امن اور سکون خاطر بھی حاصل ہو سکتا تھا، یہ ممکن تھا کہ ان کے ذریعہ محبت و الفت کی فضا دنیا میں قائم ہو جاتی، لوگ ایک دوسرے کو سمجھنے اور تعاون کرتے، انسانیت کے مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے خاندان کی شاخیں آپس میں مصنوعی دیواریں منہدم کر سکتیں، آج دنیا کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا انسان دنیا کے دوسرے کنارے کے بسنے والے انسان کی مدد کر سکتا ہے، اس کے دل کی دھڑکنیں

سن سکتا ہے، اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے، ظالم کو ظلم سے روک سکتا اور مظلوم کی مدد کر سکتا ہے، پریشان حال کی فریاد پر پہونچ سکتا اور ننگے بھوکے اور بیمار کی مدد کر سکتا ہے، کیونکہ جہالت اور انسانی کمزوری کی بنا پر جو معذوریاں تھیں وہ ختم ہو گئیں جس کا شکوہ گزشتہ نسلیں کر سکتی تھیں، اب وہ آلات و وسائل موجود ہیں جن سے انسان پلک جھپکتے اپنی ہر خواہش پوری کر لیتا ہے، اب تو بھلائی کا کام کرنے والے کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہا، انسانیت کے بہی خواہ، امن کے رہنما کس چیز کی کمی کا گلہ کر سکتے ہیں؟ کوئی فرد ہو یا حکومت یا سوسائٹی۔

وسائل کی ناکامی

یہ آلات و وسائل تو اس کام کے لئے بالکل کافی تھے کہ مصائب و خطرات سے گھری اور زخموں سے چور انسانی دنیا کو "جنت ارضی" میں تبدیلی کر دیتے جہاں نہ کوئی مصیبت ہو نہ مشقت، نہ مستقبل کا خوف نہ ماضی کا غم، نہ آپس کی جنگیں ہوں نہ دلوں کی کدورتیں، نہ افلاس ہو نہ مرض لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا ان میں سے کوئی انسانی غرض پوری ہوئی، کیا دنیا سے خوف و اضطراب کا وجود مٹ گیا، کیا افلاس و پریشانی کے بادل چھٹ گئے؟ کیا اب انسانوں پر ظلم و زیادتی نہیں ہوتی، کیا امن و سلامتی دنیا کو حاصل ہو گئی کیا لوگوں میں اعتماد پیدا ہو گیا؟ اور آخر میں یہ کہ کیا جنگ کا بھیانک اور خوفناک سایہ ہمیشہ کے لئے دور ہو گیا اور اس کا "دیو سرکش" آخری موت مر گیا، مجھے اس کی ضرورت نہیں کہ ان سوالات کے لئے آپ کے جواب کا انتظار کروں کیونکہ یہ عظیم الشان شہر دو تباہ کن و جہاں سوز جنگوں کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا اور اس کی بربادیاں اور تباہ کاریوں کا نشانہ بن چکا ہے، اور آج ہم سب ایسے ہی دور سے گزر رہے ہیں، اس ملک کے مفکروں اور مصنفوں نے خود ایسی

کتابوں سے ایک عظیم الشان کتب خانہ تیار کرلیا ہے جس میں اس تمدن کی لائی ہوئی مصیبتوں کی بڑی باریک بینی سے تصویر کشی کی گئی ہے، اس سوسائٹی کی مصیبت و بربادی کا رونا رویا ہے، اخلاقی انارکی خاندانوں کی پراگندگی، بے چینی و اضطراب کا عام ہونا خوف و دہشت کا چھا جانا ان لکھنے والوں کا موضوع بن گیا ہے، یہ لوگ جو لکھ چکے ہیں اور لکھ رہے ہیں، یہ اپنی جگہ بالکل کافی اور بہت مدلل ہے۔

غلطی کہاں ہورہی ہے

آخر یہ نتائج ان آلات و وسائل سے کیونکر برآمد ہوئے؟ حالانکہ آلات و وسائل تو گونگے، بہرے ہیں، ان کے اندر کوئی ارادہ نہیں ہوتا، یہ تو خدمتِ خلق اور نفع رسانی میں استعمال کیے جانے کے لئے ہر وقت تیار ہیں، اس سوال کا جواب کسی راز کا انکشاف نہیں ہے، اور نہ کسی پہیلی کا بوجھنا ہے، نہ اس میں کسی غیر معمولی ذہانت اور قوتِ فکریہ کی ضرورت ہے، سادہ سی بات ہے کہ جس قدر انسانی علوم و فنون نے ترقی کی، اس قدر خود انسان نے ترقی نہیں کی، آلات اور ادارے تو بہت ترقی کر گئے، لیکن انسانی رجحانات اور انسانی ارادوں میں کوئی بہتری اور سدھار پیدا نہیں ہوا، بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ علوم و فنون نے اخلاق و انسان کا حق مار کر ترقی کی منزلیں طے کرلیں، قلب و روح کا حق مار کر کارخانوں اور فیکٹریوں نے بلندی حاصل کرلی۔

آج انسانیت کا دماغ زندہ لیکن دل مردہ ہے

اس کا سبب یہ ہے اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مغرب نے اپنی سرگرمیٔ عمل ذہانت، قوتِ ارادی کا دائرہ انسان کے باہر کی دنیا کو بنایا اور اس عالمِ خارجی پر اپنی ساری

جد و جہد قربان کر دی اور انسان کو نظر انداز کر ڈالا، وہ انسان جو اس دنیا کا گل سرسبد ہے، مقصدِ وجود ہے اور دستِ قدرت کا سب سے اعلیٰ شاہکار ہے، وہی اس ترقی سے محروم رہا، اگر نفسیات و طبیعیات و علم الحیاۃ (بیالوجی) نے کبھی اس پر توجہ بھی کی تو انتہائی محدود اور مادّی انداز میں، اس انسان کی تہہ تک پہونچنے کی کوشش نہیں کی گئی، اور اس کی فطرت کو بے نقاب نہیں کیا جا سکا، اس کی خصوصیات ایمان و عقیدہ اور اخلاق کو سنوارنے کی کبھی فکر نہیں کی گئی۔

انسانیت کا قفل صرف ایمان کی کنجی سے کھلتا ہے

ان ماہرینِ فن کے ہاتھ وہ سرا نہیں آیا، جہاں سے انسان کا رُخ موڑا اور صحیح جگہ سے جوڑا جا سکتا ہے، شر و فساد سے روکا اور بھلائیوں کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے، وہ سرا "قلب" ہے کہ جب وہ ٹھیک ہو تو انسان ٹھیک ہو جائے، اور اگر وہ بگڑا تو پورا انسان ہی بگڑ گیا، مگر افسوس کہ مغرب اگر چاہے بھی تو اس دل کی دنیا کا سراغ نہیں لگا سکتا، اس سے فائدہ اٹھانا اور انسانیت کو راہِ راست پر لگانا تو اور بھی ناممکن ہے، کیونکہ ہر قفل اسی چابی سے کھلتا ہے، جو اس کے لئے بنائی گئی ہے، اس دل کے خزانے کا بھی ایک قفل ہے، جس کی چابی ان دیوپیکر کارخانوں اور محیر العقول دانش کدوں میں تیار نہیں ہو سکتی، اس کو دنیا کے بڑے سے بڑے جینیس سائنسداں نہیں ڈھال سکتے، نہ اس کا ثانی بنا سکتے ہیں، اور نہ اس قفل ہی کو توڑ سکتے ہیں، کیونکہ یہ انسانیت کا قفل ہے، بینکوں اور کارخانوں کا قفل نہیں ہے، یہ تو صرف ایمان ہی کی چابی سے کھل سکتا ہے، جو صرف نبوت کا تحفہ ہی تھا، مگر وہ آج کھویا ہوا ہے، نئے تمدّن کی کہنہ دیواروں

اور عبادت گاہوں کے ملبوں کے نیچے کہیں یہ چابی دبی پڑی ہے۔

بنیادی خرابی کیا ہے؟

انسانیت کی مصیبت مغرب کے مشرق سے جدا ہونے میں ہے علم کو ایمان سے علیحدہ کردینے میں ہے کارخانوں کے صحیح مقاصد اور بہتر ارادوں کے مہیا نہ ہونے میں ہے، اس علیحدگی اور دوری نے ہمارے تمدن کو ہر طرح کے مصائب میں مبتلا کردیا ہے، مشرق میں ایمان بڑھتا اور پروان چڑھتا رہا مغرب میں سائنس بڑھتا اور پروان چڑھتا رہا ایمان کو علم کی رفاقت کی ضرورت ہے، اور علم کو ایمان کی سرپرستی اور نگرانی کی حاجت، اور انسانیت ان دونوں کی رفاقت اور تعاون کی طالب اور منتظر ہے کہ ایک نئی سوسائٹی کی تعمیر ہو، نئی نسل تخلیق پائے، امن عالم اور سلامتی کی توقع اس "قران السعدین" کے بعد ہی کی جاسکتی ہے۔

مشرق کی سوغات

مشرق کی دولت وہ پٹرول نہیں ہے، جسے لوگ "زرسیاہ" کہنے لگے ہیں اور جو آپ اپنے بڑے بڑے شہروں میں منتقل کرتے ہیں، اور جو ہوائی جہازوں کو اڑاتا اور موٹروں کو چلاتا ہے، مشرق کا عطیہ اور ہدیہ اس کی سب سے بڑی دولت ایمان ہے جس کا ایک حصہ آپ نے عیسوی جنتری کی ابتدا میں حاصل کیا تھا، پھر آپ کے عیسوی کلنڈر کے حساب سے چھٹی صدی میں اس کا چشمہ ایسے جوش و طاقت کے ساتھ ابلا جس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں یہ چشمہ جزیرۃ العرب کے ایک دور دراز گوشے سے ابلا تھا،

لیکن پھر ساری دنیا میں اس طرح پھیل گیا کہ بقول شاعر ؎

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

جو اب بھی آپ کے لئے سہل الحصول ہے، بشرطیکہ اخلاقی جرأت اور عزم صادق ہو، اور وہ اب بھی اس کی پوری صلاحیت رکھتا ہے کہ ان تمام مصائب کو دور کرے جس سے یہ تمدن دوچار ہے، اس سرچشمہ میں آج بھی یہ قدرت ہے کہ اپنی بے پایاں طاقت اور انتہاء نشاط زندگی سے زندگی کی ایک نئی اور شاندار قسط عطا کر سکے اور جس کے ذریعہ انسانی فلاح و ترقی کا ایک نیا دور شروع ہو سکتا ہے، اور ایک نئی سوسائٹی وجود میں آسکتی ہے، اس کار عظیم کی ذمہ داری آپ پر سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے کہ آپ ہی اس تمدن کے سب سے بڑے علمبردار اور ایک عرصے تک مشرق میں بھی اس کے پیغام و روح کے حامل رہ چکے ہیں، آپ کے اندر اب بھی وہ بڑی طاقت اور زندگی پوشیدہ ہے، جس سے آپ ایک نیا دور شروع کر سکتے اور تاریخ کو نئی راہ پر لگا سکتے ہیں، قرآن مجید آج بھی آپ کو آواز دے رہا ہے: "قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتَابٌ مُّبِينٌ الآية"

(ترجمہ۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی)

جرمن قوم کے نام

یہ تقریر ۲۷؍ اکتوبر ۶۴ء کو برلن کی انجینیرنگ یونیورسٹی میں کی گئی تھی۔

اس موقعہ پر یونیورسٹی کے اساتذہ، طلباء کے سوا مختلف حلقوں کے نمائندے موجود تھے۔

جرمن قوم کے نام

عظیم جرمن قوم

مجھے اس عظیم شہر برلن میں پہلی بار عظیم جرمن قوم سے خطاب کرنے اور اسلام کا پیغام پہونچانے کا موقع مل رہا ہے، یہ ایک خوشگوار اور قیمتی موقع ہے، اور مجھے اس کی اہمیت اور نزاکت کا پورا احساس ہے۔

جرمن قوم زمانۂ قدیم سے شجاعت اور مہم جوئی، سنجیدگی اور قوتِ عمل اور انتھک جدّوجہد میں ممتاز رہی ہے، اسی کا نتیجہ تھا کہ اس قوم میں ایسے صاحبِ عزم اور جوانمرد پیدا ہوئے جنھوں نے مغربی معاشرہ اور مغربی افکار پر گہرا اثر ڈالا، اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ میں تین اشخاص کا نام لوں گا جن میں سے ہر ایک کا یورپ کے دل و دماغ پر زبردست اثر ہے، اور ان میں ہر ایک مستقل مدرسۂ فکر کا بانی اور اپنے رنگ میں منفرد ہے، پہلا شخص مارٹن لوتھر MARTIN LUTHER ہے جس نے اصلاح کلیسا، کتاب مقدس کی طرف رجوع اور پوپ اور پادریوں کے حد سے بڑھے ہوئے اقتدار کی حدبندی کی دعوت دی اس نے مسیحی یورپ پر گہرا اثر چھوڑا، اور ایک مذہب کا بانی قرار پایا، اور دوسرا شخص گوئٹے GOETTE

ہے، جس نے مشرق سے ہمیشہ محبت کی اور اس کے شعر و نغمہ و روحانیت سے پوری دلچسپی لی، اس نے اسلام کا بھی مطالعہ کیا اور اس مذہب اور اس مذہب کے پیغمبر سے اپنے تاثر کا اظہار کیا، اور جرمن شعر و ادب پر اپنا لافانی نقش چھوڑا آخری زمانہ میں کانٹ (KANT) جیسا شخص پیدا ہوا جس نے یورپ کی عقل پرستی کی تردید کی، اور اس کے حدود اور میدان متعین کئے، کانٹ عہد آخر میں جرمنی کا سب سے بالغ نظر مفکر سمجھا جاتا ہے، اس کا اور اس کی دو کتابوں "تنقید عقل محض" اور "تنقید عقل عملی" کا مغربی فکر و فلسفہ پر گہرا اثر ہے، یہ تینوں تحریکیں یا دار س فکر جرارت و انقلاب اور جدت میں ممتاز تھے، ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر انقلابی نئے نقطۂ نظر کا حامل تھا، جس کا اعتراف نہ صرف اس کے ملک جرمنی بلکہ پورے یورپ کو ہے۔

جرمنوں کی قومی خصوصیات اور حوصلہ مندی

انقلاب، بغاوت اور ذہنی بے چینی جرمن قوم کے خمیر میں ہے، انقلاب پسندی اور نفسیاتی خلش اور بے چینی تھی جو کارل مارکس کی شخصیت کے روپ میں اپنے پورے عروج کے ساتھ ظاہر ہوئی، اور جس نے آخر کار دنیا کے ایک بہت بڑے رقبہ میں بے چینی پیدا کر دی، اور موجودہ زمانہ کے قدیم اقتصادی نظاموں کے خلاف سب سے بڑی بغاوت کہلائی۔

یہ تحریکیں جن کا ابھی میں نے ذکر کیا دراصل انقلاب اور بغاوتیں ہی تھیں، کبھی ان کا دائرہ وسیع تھا، کبھی تنگ، کبھی ان کا اثر گہرا تھا، اور کبھی ہلکا، جرمن قوم

ہمت و جرأت، پیش قدمی، دنیا میں بلند مرتبہ حاصل کرنے کا شوق اور خود اعتمادی میں بھی ممتاز ہے، پہلی اور دوسری عالمگیر جنگیں (۱۹۱۴-۱۹۱۸ء) (۱۹۳۹-۱۹۴۵ء) کبھی درحقیقت سیاست و حکومت کی دنیا میں دو بغاوتیں یا دو مہم جوئی کہی جا سکتی ہے، یہ صرف اس کا نتیجہ تھا کہ اس عظیم قوم میں ایک جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا، اس کی صلاحیتیں، قوتیں یکایک ابھر آئیں، اس میں حوصلہ مندی اور خود اعتمادی پیدا ہو گئی، اب بھی شرار زندگی اس کی خاکستر میں پوشیدہ ہے اب بھی وہ زندگی اور نشاط تعمیر و ترقی کی زبردست صلاحیت سے بھرپور ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو جرمن قوم اس زبردست صدمہ کو برداشت نہ کر سکتی جس کی مثالیں تاریخ میں کم ملتی ہیں، وہ اس قیامت کو سہار نہ سکتی جو ایک پوری قوم کی صلاحیت کو مفلوج کر دینے، اور اس کو زندگی سے مایوس کر دینے کے لئے کافی تھی، اور دوسری جنگ عظیم میں اس کی تباہ شدہ عمارتوں اور کارخانوں کے ملبہ سے یہ تمدن یہ صنعت اور یہ نشاط اور قوت پیدا اور ظاہر نہ ہوتی، اور جرمن قوم تازہ دم ہو کر نئی قوت اور نئے ولولہ کے ساتھ اپنی زندگی کی دوڑ شروع کرنے کے قابل نہ ہو سکتی۔

جرمنوں کی بدقسمتی و ناکامی

لیکن اس عظیم قوم کے یہ تجربے اور مہم جوئیاں محدود بغاوتوں اور محدود قسم کے انقلاب سے آگے نہ بڑھ سکیں جس طرح کے انقلاب کا آغاز کلام میں میں نے اشارہ کیا ہے، اور جس کی مغربی معاشرہ اور مغربی دائرۂ فکر میں ایک خاص

قیمت ہے، جس نے جرمن قوم کو عظمت، ترقی اور شہرتِ دوام عطا کی ہے، لیکن وہ یورپ کے مذہبی اور فکری نظام کو یکسر تہ و بالا نہ کر سکا، وہ ایک نیا معاشرہ اور ایک نئی دنیا پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا جو قدیم دنیا سے ہر چیز میں مختلف ہوتا۔

گزشتہ عالمی جنگیں کس لئے لڑی گئیں؟

گزشتہ دونوں جنگیں عظیم پاکیزہ مقاصد کے لئے نہ تھیں، اور مسیحیت یا بلند اخلاقی اقدار یا انسانیت کے لئے نہیں لڑی گئی تھیں، ان کا مقصد اور نشانہ یہ نہیں تھا کہ قیادت ظالم اور پاپی کے ہاتھ سے نکل کر رحم دل اور عدل نواز ہاتھ میں پہونچ جائے، وہ فسق و فجور بے حیائی اور حیوانیت کو ختم کرنے کے لئے نہیں چھیڑی گئی تھیں، آپ مجھے معاف کریں یہ درحقیقت حکومت و اقتدار حاصل کرنے کے لئے تھیں، اور زیادہ صاف لفظوں میں یہ جنگیں اس لئے کی گئیں کہ دونوں فریقوں میں سے ہر فریق یہ چاہتا تھا کہ دنیا میں جو کچھ فساد، ظلم زور دستی اور لوٹ کھسوٹ ہے، وہ سب برقرار رہے لیکن اس کی اولیت اور ماتحتی میں ہو۔

اس عظیم قوم کی ذمہ داری کیا تھی

عظیم جرمن قوم کا مقام و مرتبہ تو یہ تھا کہ وہ ان تمام بغاوتوں اور جنگوں اور انقلابات سے زیادہ وسیع اور زیادہ دوررس انقلاب دنیا کے

سامنے پیش کرتی، ایسا انقلاب جو نہ صرف جرمنی اور یورپ بلکہ پورے نوع انسانی کے لئے مفید ہوتا اور اس کو حقیقی سکون اور اطمینان سے ہمکنار کرتا، ایک ایسا انقلاب جو اپنی انفرادیت، انقلاب آفرینی جدّت اور حوصلہ مندی اور اپنی تخلیقی صلاحیت میں ان تمام انقلابات سے کہیں بہتر ہوتا جو جرمنی کے اولوالعزم رہنماؤں نے ماضی قریب یا ماضی بعید میں برپا کئے ہیں۔

آج بھی جرمنی مغربی قافلہ کا پوری طرح ساتھ دے رہا ہے بلکہ صنعت، کاریگری اور کثرت پیداوار میں بعض اوقات اس سے آگے بڑھ جاتا ہے، وہ وسائل ایجادات مصنوعات اور زندگی کی سہولتوں میں برابر اضافہ کرتا رہا ہے، لیکن موجودہ تہذیب میں اس کا حصّہ صرف صنعت، پیداوار، تجارت اور موقع شناسی کی حد تک ہے، اس معاملے میں اس قوم کی ذہانت اور عبقریت، اس کا کمالِ فن اور اس کا ضبط وتحمل اچھی طرح آشکارہ ہوگیا ہے، اور وہ اس میدان میں اپنی بہت سی پڑوسی قوموں اور ملکوں سے آگے نکل گئی ہے اور دنیا کی قوموں میں اور تجارت کی منڈیوں اور بازاروں میں صفِ اول میں نظر آتی ہے۔

اس انقلاب پسند اور حوصلہ مند قوم سے اور اس ملک سے جو عرصے سے انقلابوں کا مسکن اور انقلابات کی آماجگاہ رہ چکا ہے، اس کی توقع تھی کہ وہ اس تہذیب سے بغاوت کرتا جس نے انسان کو ایک گمراہ سرکش وجود اور ایک طاقتور تباہ کن ہستی بنا دیا ہے، اس نے اس کو ایک ایسی اندھی بہری مشین بنا دیا ہے، جو نہ روح رکھتی ہے، نہ دل، نہ عقیدہ نہ ضمیر، اس نے پوری دنیا کو

ایک قمار خانہ یا گھوڑ دوڑ خانہ اور پوری زندگی کو خرید و فروخت اور لین دین کی ایک منڈی بنا دیا ہے، اس نے زندگی سے ندرت، جدّت، تنوع، گہرائی اور حرارت سلب کر لی ہے، اس تہذیب کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا جس نے زندگی کو ایک نہ ختم ہونے والا سفر، نہ ختم ہونے والی مشکلات بنا دیا ہے، ایک ایسی ریس بنا دیا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، ایک ایسی جدّ و جہد، تگ و دو جس کا کوئی نتیجہ نہیں، اس نے عصر حاضر کے انسان کو کولہو کا بیل بنا دیا ہے جو مسلسل ایک دائرہ میں چکر کاٹتا رہتا ہے، اس نے انسان سے اس کی سب سے بیش قیمت متاع چھین لی، اس کو سب سے بڑی شرافت سے محروم کر دیا، اور وہ ہے ایمان اور یقین، بے لوث اخلاص، پاکیزہ محبّت اور درد و سوز کی دولت۔

اس کی توقع تھی کہ یورپ کی قوموں میں سے کوئی ایک قوم جھوٹے نظریات اور ان مصنوعی اقدار اور معیاروں سے بغاوت کرتی جس کو خود انسان تراشتا ہے، اور پھر ان کی پرستش کرتا ہے، یہ جھوٹی اقدار زندگی کے وہ مطالبات اور زندگی کا وہ معیار اور نئے نئے فیشن ہیں، اور وہ ساری باتیں ہیں جن کو سوسائٹی بلا وجہ انسان پر عائد کرتی ہے، وہ ٹیکس ہیں، جو انسان کی پرسکون زندگی کو مغلوب اور اس کی حقیقی آزادی کو سلب کر لیتے ہیں، خاص طور پر اس جرمن قوم سے جس کی یورپ نے کوئی قدر نہیں کی، اس بات کی امید تھی کہ وہ اس مبارک اور حقیقی انقلاب کی علمبردار ہو کر نہ صرف اپنے ملک بلکہ پوری دنیا کے حالات کا رُخ تبدیل کر دیتی، اور اس کے ایک نئے باب کا آغاز کرتی۔

جرمنی نے کیا غلطی کی

اس کے برعکس جرمنی اس مغربی خاندان کا ایک وفادار ممبر بنا رہا جس نے اس کے ساتھ مساویانہ سلوک نہیں کیا اور ہمیشہ اس کو حسد کی نگاہ سے دیکھا اور اسی رُخ پر چلتا رہا، اسی ذہن و دماغ سے سوچتا رہا، اور اپنی ذہانت اور مہارت و کمال سے اس کو مدد پہونچاتا رہا اس نے ان حدود سے آگے بڑھنے اور اس دائرے سے باہر قدم نکالنے کی کوئی کوشش نہیں کی جو اس نے متعین کر دی تھی، وہ عظیم جست نہیں لگائی جو اس کی تقدیر اور دنیا کی تقدیر تبدیل کر سکتی، اس کو دنیا کی قیادت بقا و دوام ملتی اور قوموں کی برادری میں اس کے مقام کو بلند اور اپنے پڑوسیوں کی نگاہ میں اس کی عزت دو چند کر سکتی ہے، یہ ایک ایسی جرأت مندانہ جست ہوتی جس کا مقابلہ یورپ کی کوئی اور قوم نہیں کر سکتی، یہ اس مصنوعی اور تنگ دائرہ کو توڑ سکتی ہے، جس میں یورپ صدیوں سے زندگی گذار رہا ہے، یہ جست قدیم و جدید مشرق اور مغرب سب کو فراموش کر کے دنیا کو مادیت، حیوانیت، درندگی اور اس المناک انجام سے محفوظ کر سکتی تھی جس کو سائنس نے بہت قریب کر دیا ہے، یورپ کے مختلف حصوں میں اقتصادیات، اجتماعیات اور سیاست کے میدانوں میں انقلابیوں نے جو چھلانگیں لگائی ہیں، وہ اس عظیم جست کے مقابلے میں بچوں کے اُچھل کود سے زیادہ کوئی حقیقت نہ رکھتیں۔

ایک عجیب تضاد

یہ ایک عجیب وغریب ناقابلِ فہم تضاد ہے کہ وہ یورپ جو زندگی اور نشاط سے بھرپور ہے، اور تمدّن دنیا کے سب سے وسیع رقبہ کی قیادت کررہا ہے جس نے کائنات کے اسرار سے پردہ اٹھایا اور مادّی طاقتوں کو اپنا غلام بنایا جو سستی جمود، تعطل اور بے عملی کے الفاظ سے ناواقف ہے، اس کی رہنمائی ایک ایسے مذہب کے ہاتھ میں ہے، جو رہبانیت کا داعی اور انسان اور اس کے خالق کے درمیان واسطہ حاصل کرنے پر مجبور ہے، جو کفارہ پر بھی عقیدہ رکھتا ہے، وہ کفارہ جو انسان کو دوسروں پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے، اور اپنی صلاحیتوں اور اپنے ارادہ وعمل پر اس کے اعتماد کو ختم کر دیتا ہے، اس کے عمل کی قیمت اور جد وجہد کی افادیت کو خود اس کی نگاہ سے گراتا ہے، پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اس مذہب کے نمائندے یورپ کے متجسّس، حوصلہ مند، انسان اور علم وعقل کے درمیان ایک طویل عرصے تک دیوار بن کر حائل بھی رہے، انھوں نے کتاب مقدس کے مفسرین اور اہل کلیسا کے بتائے ہوئے معلومات ونظریات سے سرتابی اُن کے لئے حرام کر رکھی تھی، چنانچہ جو شخص اپنے عقل اور تجربے پر بھروسہ کرتا تھا، وہ اپنے مشاہدہ اور نظریہ کا اعلان کرتا تھا، اس کو وہ سزائیں دی جاتی تھیں کہ مذاہب کی پوری تاریخ میں اس سے ہیبت ناک اور بے دردانہ سزاؤں کی مثال نہیں ملتی۔

کلیسا سے بغاوت

پھر وہ وقت بھی آیا کہ یورپ نے کلیسا کے اس بے جا تشدد، جبر و استبداد اور تنگ نظری و کم عقلی کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کی بیڑیاں اور زنجیریں توڑ ڈالیں، اس نے وہ عظیم ترقی کی جس کی مثال جدید انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، علم و تمدن اور طبقاتی علوم میں بڑے بڑے مراحل طے کئے، لیکن اس زبردست کشمکش نے جس نے اس کو بالکل خستہ اور شکستہ کر دیا، اور اس کی ساری طاقتوں اور صلاحیتوں کو نچوڑ لیا (حالانکہ اس دردِ سری کی اس کو کوئی ضرورت نہ تھی) اس کو اس توازن اور اعتدال سے محروم کر دیا، جو حقیقی سعادت کا سرچشمہ ہے، اور اس پر وہ انتہا پسندی اور مادہ پرستی مسلّط کر دی جو مرورِ زمانہ کے ساتھ مغربی تہذیب کا مزاج اور اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، آج بھی یہ کلیسا بہت سے مغربی ملکوں کی مغربی سوسائٹیوں پر حاوی ہے، آج بھی ایک یورپین اپنے مذہب میں وہ رُخ اختیار کرتا ہے جس کا عقل و تدبر سے کچھ تعلق نہیں ہوتا، اور اپنی تہذیب و معاشرت میں وہ طرز اختیار کرتا ہے جس کا مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، یہ تضاد اس کی ہر ترقی، ہر پیش قدمی اور ہر طرزِ ادا کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔

اسلام سے یورپ کی محرومی

اس سے بڑھ کر تضاد اور المیہ جس کو تاریخ بھول نہیں سکتی یہ ہے کہ اس کے

برعکس یورپ اس توحید خالص اور واضح عقیدہ کے دین (اسلام) سے محروم رہا، جو اپنی وضاحت اور عملیت، سعی و عمل اور خود اعتمادی میں ممتاز ہے، جس کے نزدیک ایک ایک فرد کے عمل کی بڑی قیمت ہے، جو دنیا و آخرت دونوں جگہ اعمال کے نتائج و اثرات پر ایمان رکھتا ہے اور اس دنیا کو آخرت تک پہونچنے کا ایک پل سمجھتا ہے، جو انسان میں مردانگی، اولوالعزمی، عالی ہمتی اور بلند نظری کے اوصاف پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ اس پیغام کے داعی سے بالکل الگ رہا جس کے متعلق قرآن کے معجزانہ اور بلیغ الفاظ یہ ہیں:۔

اَلرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ	جو رسول کی پیروی کریں گے جو
یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ	نبی اُمّی ہوگا اس کے ظہور کی خبر اپنے
فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ	یہاں تورات اور انجیل میں لکھی پائیں گے
بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ	وہ انھیں نیکی کا حکم دے گا برائی سے
الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ	روکے گا پسندیدہ چیزیں حلال کرے گا
وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ	گندی چیزیں حرام ٹھہرائے گا اس
عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ	بوجھ سے نجات دلائے گا جس کے
الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ	تلے دبے ہوں گے ان پھندوں سے
(الاعراف۔ ۱۵۷)	نکالے گا جس میں گرفتار ہوں گے۔

اسلام کی غلط تصویر کے بعض اسباب

اسلام اور پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم سے یورپ کو متوحش بدظن

اور دور کرنے میں صلیبی جنگوں، اہلِ کلیسا، مسیحیت کے مبلّغین اور یورپ کے ان مصنّفین کا بہت بڑا ہاتھ ہے، جو علمی رجحان اور بلند عقلی رجحان کے حامی نہ تھے، انھوں نے اس دین اور اس کے عظیم پیغمبر کی بہت خوفناک اور کریہہ تصویر پیش کی اور یورپ میں پیغمبرِ اسلام کے متعلق طرح طرح کے من گڑھت کہانیاں اور بے سروپا داستانیں مشہور ہوگئیں، ان کے گرد مختلف کہانیوں، مثالوں اور کہاوتوں کا ایک سیاہ ہالہ قائم ہوگیا، جس نے یورپ کو ان کی محبت اور ان کی عظمت کے اعتراف سے باز رکھا، آج بھی اس کے نمونے ان کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں، جو قرونِ وسطیٰ اور اس کے بہت بعد تک لکھی جاتی رہیں، اور آج بھی بہت سے پرجوش مغربی مصنّفین اسی بات کو دہراتے اور نئے نئے زاویے سے پیش کرتے رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کا بہت بڑا سبب اور تھا، اور وہ یہ کہ یورپ اس دین کو ترکوں کے واسطے سے دیکھنے کا عادی رہا، جب وہ اس پر غور کرتا، یا اس کا تصور کرتا، تو اس کے سامنے عثمانی ترک کھڑے ہوجاتے، جو یورپ کے براعظم میں اسلام کے تنہا سرکاری نمائندہ، سمجھے جاتے تھے، وہ آزادانہ نگاہ سے اسلام کو نہیں دیکھتا تھا، بلکہ عثمانیوں کے مذہب کی حیثیت سے اس پر غور کرتا تھا، جو اس پر اکثر حملہ کرتے رہتے تھے، اور اس کے بہت سے حصوں پر قبضہ بھی کر لیتے تھے، جو کبھی کبھی غلطیاں بھی کرتے تھے، اور کبھی ان سے تشدّد اور سختی کا مظاہرہ بھی ہوتا تھا، یہ ساری باتیں اسلام کے صحیح اور پاکیزہ فہم سے مانع رہیں، جو آزاد غور و فکر اور براہ راست مطالعہ پر مبنی ہوتا۔

اسلام سے دوری اور زندگی پر اس کے نتائج واثرات

اسلام سے یورپ کے بُعد کا انسانی سوسائٹی کی تاریخ اور تہذیب و ترقی کی رفتار پر بہت گہرا اور دوررس اثر پڑا، اگر یورپ یا اس کی کسی بڑی قوم نے اسلام کو اختیار کیا ہوتا اور اس دعوت کی علمبردار ہوتی تو نہ صرف یورپ بلکہ پوری دنیا کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا، زندگی اس طرح بے معنی اور بے مقصد نہ ہوتی، دین واخلاق اس طرح بے دست وپا اور بے اثر نہ ہوتے، انسانی تہذیب کا رُخ تباہی و بربادی کی طرف نہ ہوتا، اور مشرق محض استحصال اور جبر و استعمال کی آماجگاہ نہ ہوتا جیسا آج ہے۔

دنیا کا عظیم خلاء

دنیا میں ایک ایسا عظیم خلا ہے، جو صدیوں سے پر نہیں کیا جاسکا، وہ ایک ایسی قوم کا فقدان ہے، جو اپنے ایمان و عقیدہ اور اپنے اخلاق و معاملات ہر چیز کے لحاظ سے طاقتور ہو، جو صحیح دینی دعوت اور اس آخری آسمانی پیغام کی حامل ہو، جو زندگی کے مسائل کا سامنا کرتا ہے، اس سے گھبراتا نہیں، قافلۂ انسانی کی رہنمائی کرتا ہے، اس سے بچھڑتا نہیں، ایسی قوم جو عصری ثقافت میں ممتاز، عبقریت اور تخلیقی صلاحیت کی حامل، زندگی و نشاط سے لبریز اور مجسم جہد و عمل ہو، یہ وہ مطلوب قوم ہے، جو دنیا کو شر سے خیر کی طرف، تخریب سے تعمیر کی طرف اور فساد سے اصلاح کی طرف پھیر سکتی ہے۔

ترکوں میں جن کی قیادت آل عثمان کر رہے تھے، (پندرھویں صدی عیسوی میں) اس کی صلاحیت تھی کہ عالمی قیادت کے اس خلا کو پُر کر سکیں جو طویل عرصے سے چلا آرہا تھا، انھوں نے مشرق میں قیادت کے اس خلا کو ضرور پُر کیا، عالم اسلام کی قیادت کی اور اس کو ایک نئی زندگی اور نئی قوت عطا کی لیکن بہت سے اسباب کی بنا پر مثلاً جدید علوم، جدید تنظیم اور ترقیات و ایجادات کے شعبے میں ان کی پسماندگی، مغربی قوموں کی ان پر یورش اور جنگوں کے لامتناہی سلسلہ کی وجہ سے وہ مغرب کی قیادت نہ کر سکے اور اس نشاۃ ثانیہ کی سربراہی نہ کر سکے جو یورپ میں طوفان کی طرح بڑھ رہی تھی، اور ایک نیا عہد وجود میں آرہا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قافلہ سے بچھڑ گئے، یہ خلا ان کے بعد آج بھی باقی ہے، اور وہ کسی ایسی مغربی یا مشرقی قوم کا منتظر ہے، جو ایمان اور علم کی قوت، روح اور مادہ کی قوت، آسمانی پیغام کی ابدیت اور اس کی ازلی حقیقت، علم کی جدّت اور عقل کی ترقی پذیری، جدید وسائل کے انبار اور صالح مقاصد کی دولت کو باہم جمع کر سکے، وہ مقاصد جو آسمانی مذاہب عطا کرتے ہیں اور آخری آسمانی مذہب اسلام اس کا سب سے مکمل اور جامع نمائندہ ہے، وہی اس دنیا کی اصلی قائد اور رہنما ہے، جو اس خلا کو پر کر سکے، تاریخ کے دھارے کو موڑ سکے، اور زمانے کو ایک نیا راستہ اور نئی سمت اختیار کرنے پر مجبور کر سکے، اور اس جی چھوڑتی آمادہ خودکشی دنیا کو زندگی کی ایک نئی قسط عطا کر سکے، اور اس کو موت کے اس غار سے بچا سکے جس کی طرف وہ ایٹمی سرعت اور راکٹ کی رفتار سے بڑھ رہی ہے۔

نئے انقلاب کی ضرورت

اس کے لئے ایک جرأت مندانہ بغاوت کی ضرورت ہے، ایک ایسے انقلاب کی ضرورت ہے جو ان تمام انقلابات سے بڑھ جائے، جو آزادی و ترقی کے علمبرداروں نے ماضی یا حال میں کئے تھے، اس کے لئے پوری قوم کے انقلاب اور تغیر حال کی ضرورت ہے، ایک ایسی جست یا چھلانگ کی ضرورت ہے جس میں خاصا خطرہ ہو، قربانی ہو، جست ایک زندگی سے دوسری زندگی کی طرف ایک نظام سے دوسرے نظام کی طرف ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف، یہ جست تجھ کو وہ قیادت و زعامت، وہ عزّت واحترام وہ اثر و رسوخ وہ ہیبت و رعب، اور وہ سکون واطمینان اور روحانی آسودگی و خوش حالی عطا کرسکتی ہے جس کا خواب بھی تیرے ان خطر پسندوں، جواں مردوں اور جنگجو رہنماؤں نے نہ دیکھا ہوگا، جنھوں نے تجھکو دو ہولناک جنگوں کی آگ میں ڈھکیل دیا تھا۔

اس جست سے تو مادّی قوت سیاسی اقتدار اور انسانیت کی صحیح رہنمائی اور صحیح نمونہ دونوں چیزوں کی جامع اور اللہ تعالیٰ کے ان ارشاد کی مصداق ہوسکتی ہے :-

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ	اور ہم چاہتے ہیں کہ اپنا خاص فضل
اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ	کریں ان بندوں پر جو ہماری زمین
وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ	میں کمزور کردیئے گئے ہیں اور ہم ان کو

الْوَارِثِيْنَ ۝	سربراہ بنائیں اور انھیں کو زمین کا
(القصص۔ ۵)	وارث بنا دیں۔
وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ	اور ہم نے بنا دیا ان کو پیشرو کہ
بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا	وہ رہنمائی کریں ہمارے حکم سے
بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝	جب کہ انھوں نے صبر و ثبات کا
(السجدہ۔ ۲۴)	ثبوت دیا، اور وہ ہماری آیات پر
	یقین رکھتے تھے۔

(اردو ترجمہ :۔ مولانا محمد الحسنیؒ)

عصری تعلیم حاصل کرنے والے

مسلم نوجوانوں سے

یہ تقریر اکتوبر ۱۹۶۴ء میں لندن میں اسلامک سینٹر کے زیر اہتمام منعقد کئے گئے ایک جلسہ میں کی گئی تھی، جس میں ہندوستان، پاکستان اور عرب ممالک کے نوجوانوں کی بڑی تعداد شریک تھی۔

عصری تعلیم حاصل کرنے والے مسلم نوجوانوں سے

مستقبل کی پیشین گوئی

میں نہ کوئی ولی ہوں نہ پیمبر، نہ مجھے بزرگی کا دعویٰ ہے، نہ پیشین گوئی کرنے کا شوق لیکن میں اس وقت ضرور ایک پیشین گوئی کرنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ آپ کے اس مجمع میں بہت سے ایسے نوجوان ہیں، جو اپنے اپنے ملکوں کی زمامِ قیادت ہاتھ میں لیں گے، اور وہاں کی بڑی اہم ذمہ داریاں سنبھال لیں گے، آپ یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، لیکن آپ کے ملکوں میں قیادت کی مسندیں اور رہنمائی کی کرسیاں آپ کی منتظر ہیں، میں آپ کی روشن پیشانیوں کی لکیروں اور خطوط میں آپ کے درخشاں مستقبل کو دیکھ رہا ہوں کسی زمانہ میں کسی ملک کی قیادت حاصل کرنے کے لئے اور کسی ملک و قوم کو اپنے اقتدار و انتظام میں لینے کے لئے زور بازو اور تلوار کے جوہر کی ضرورت تھی، سکندر اور چنگیز و ہلاکو نے نوکِ شمشیر سے دنیا فتح کی اور قوموں کو مسخر کیا، اب اس کے لئے جنگی قوت کافی نہیں، اس وقت قیادت اور اقتدار کے لئے علم کی طاقت کی ضرورت ہے، اس وقت دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک اور خود اسلامی ممالک جمہوریت کے

جس راستہ پر چل رہے ہیں، اور جن حالات و مسائل کا ان کو سامنا ہے، ان کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان ملکوں کی سربراہی اور ان کی قیادت وہی لوگ کریں گے، جو جدید علوم سے واقف ہیں، مغربی زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں، اور جن کو جدید جمہوری نظام میں اقتدار کے منصب تک پہونچنے کے لئے ضروری وسائل و مواقع حاصل ہیں، اس کی بناء پر امید کی جاسکتی ہے کہ آپ اپنی ان صلاحیتوں اور خصوصیتوں کی وجہ سے ذمہ داری کی ان جگہوں تک پہونچیں گے، اور آپ کو اپنے ملک و قوم کی خدمت کرنے کا موقع ملے گا، یہ آپ کے لئے ایک بڑا نازک امتحان ہے، ان ملکوں کی قسمت بڑی حد تک آپ سے وابستہ ہے، اور ان کے مستقبل کا انحصار آپ پر ہے۔

دنیائے اسلام کا مسئلہ

آپ جن ملکوں سے آئے ہیں، اور جہاں آپ کو اپنی تعلیم کی تکمیل کر کے واپس جانا ہے، یہ ملک عرصہ سے مسلمان ملک ہیں، اور وہ اب بھی اپنے اسلام پر قائم ہیں، اور آئندہ بھی ان کا اسلام پر قائم رہنے کا ارادہ ہے، یہ اسلام ان کو بڑی قربانیوں سے حاصل ہوا ہے، اس لئے ان کو انتہائی عزیز ہے، اور ان کی نظر میں نہایت قیمتی ہے، ان ملکوں میں مسلمانوں کی بڑی عظیم تعداد ہے، ان میں سے بہت سے ممالک اپنی آبادی اور مردم شماری کے لحاظ سے یورپ کے بڑے بڑے ملکوں سے بھی بڑے ہیں، اس عددی قوت و کثرت کے ماسوا یہ ملک خدا کی پیدا کی ہوئی دولتوں، ذخیروں اور بیش بہا خزانوں

سے مالا مال ہیں، یہ وہ قدرتی دولتیں اور خزانے ہیں، جن کے بغیر مغرب کی گاڑی بھی نہیں چلتی، انھوں نے موجودہ سائنس اور ٹکنالوجی کی نئی طاقت بخشی ہے، اس مواد خام کے لحاظ سے کوئی ملک اسلامی ممالک کا ہمسر نہیں۔

اسی طرح سے ان ملکوں کی مسلمان اقوام انسانی صلاحیتوں، زندگی کی توانائیوں اور اخلاقی طاقتوں سے بھرپور ہیں، ان میں اب بھی ایسی قوتِ عمل، جذبہ قربانی، ذوق ایثار، وفاداری اور جاں نثاری کا جذبہ ہے جو دنیا کی کسی قوم میں پایا نہیں جاتا۔

جن لوگوں نے دنیا کی سیاحت کی ہے، اور وہ دنیا کی مختلف قوموں او عوام کا تجربہ رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان اسلامی ممالک کے مسلمان عوام سے کہیں کے عوام بہتر نہیں، ان میں بھی زندگی کا شعلۂ فروزاں ہے، وہ اب بھی کسی مقصد کے لئے جان دے سکتے ہیں، اگر ان کو صحیح قیادت مل جائے تو وہ اب بھی دنیا کی ایک عظیم طاقت بن سکتے ہیں، ان کا سا خلوص، ان کی سی سادہ دلی، ان کا اعتماد، ان کی گرم جوشی اور ان کا جذبۂ اطاعت اب بھی کسی قوم میں پایا نہیں جاتا، لیکن یہ انتہائی افسوسناک حقیقت ہے کہ ان کی یہ صلاحیتیں عرصہ سے ضائع ہو رہی ہیں، ان ملکوں کی قیادتیں (LEADERSHIP) ان سے بالکل بے خبر ہیں، ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کو راہ پر لگانے کی ان میں نہ صلاحیت ہے، نہ آمادگی۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ اس وقت دنیائے اسلام کا سب سے اہم اور عمومی مسئلہ کیا ہے تو میں ادنیٰ توقف کے بغیر کہوں گا کہ مسلمان عوام اور ان کے

قائد ہیں، رہنماؤں کا فرق و تفاوت اور وہ ذہنی کشمکش جو عوام و خواص کے دو طبقوں میں اس وقت ہر اسلامی ملک میں برپا ہے، عوام مسلمان ہیں وہ اسلام پر ہی جینا اور مرنا چاہتے ہیں، وہ مذہبی زبان و اصطلاحات کے سوا کچھ نہیں سمجھتے، خدا اور رسول، آخرت اور جنت، جہاد اور شہادت، رضائے الٰہی اور اجر و ثواب کے سوا ان کے لئے کوئی چیز کشش اور معنویت نہیں رکھتی، مذہبی دعوت اور نعرے کے سوا کوئی چیز ان کے خون میں گرمی، ان کے جسم میں حرارت اور ان کے اندر سرشاری اور بے خودی کی کیفیت نہیں پیدا کر سکتی، اور نہ انھیں ایثار و قربانی پر آمادہ کر سکتی ہے، یہی وہ اپیل تھی، اور یہی وہ نعرہ تھا جس نے الجزائر کے مسلمانوں کو بے خود بنا دیا، اور ان سے وہ قربانی کرائی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اسی کے سہارے ہر ملک کی جنگ آزادی لڑی گئی، یہ مسلمان شریعت اور اسلامی قانون سے محبت رکھتے ہیں، اور ان کے اعلیٰ اور افضل ہونے کے قائل ہیں، ان کو اسلامی معاشرت اور تہذیب سے محبت ہے، وہ اپنے ان ملکوں میں شریعت کے احکام کو نافذ، اسلامی زندگی کو رائج دیکھنا اور اللہ کے نام کا بول بالا چاہتے ہیں، اور اس کے سوا ان کو کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔

ایک عظیم المیہ

لیکن بد قسمتی سے جس طبقہ کے ہاتھ میں ان کی قیادت و رہنمائی ہے، اور جو ان کے گلہ بان اور راعی بنے ہیں، ان کی تعلیم و تربیت اس ماحول، ان عقائد و جذبات اور ان تمناؤں سے بالکل الگ ماحول میں ہوئی ہے، ان کے

ذہن کا سانچہ بالکل الگ تیار ہوا ہے، ان کی تعلیم و تربیت انھیں شہروں میں ہوئی جہاں آپ اس وقت پڑھ رہے ہیں، ان کے اساتذۂ مغرب نے ان کے ذہن پر یہ بات نقش کر دی ہے کہ اسلام کا دور ختم ہو گیا، اس نے اس محدود ماحول اور غیر ترقی یافتہ دنیا میں جس میں اس کا ظہور ہوا تھا کسی قدر مفید خدمت انجام دی لیکن اب اس ترقی یافتہ دنیا اور اس وسیع معاشرہ کے لئے اس کے پاس کوئی پیغام نہیں، اور اب وہ اس بدلی ہوئی دنیا میں کسی طرح فٹ نہیں ہو سکتا، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ قومیں تو ایسی پرجوش مسلمان ہوں کہ ان میں آج بھی محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر اور محمد فاتح پیدا ہو سکتے ہیں، لیکن جو لوگ قوموں کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں، ان کا اسلام پر سے اعتماد اٹھ چکا ہے، اور وہ اسلام کے مستقبل سے مایوس ہیں، اور ان کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں، یہ لوگ یورپ کی تعلیم گاہوں میں اس لئے آئے تھے کہ یورپ سے ایسے وسائل و ذرائع حاصل کریں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے، یہ یورپ اس لئے آئے تھے کہ یہاں سے سائنس، ٹکنالوجی، صنعت، اور اس طرح کے دوسرے فنون حاصل کریں جن میں یورپ کو مشرق پر پورا تفوق حاصل ہے، پھر وہ انھیں اسلام کے لئے مسخر کریں اور اسلامی مقاصد کا تابع اور خادم بنائیں۔

نئی نہر سوئز کی ضرورت

وہ یورپ اس لئے آئے تھے، کہ یہاں سے علم حاصل کر کے مشرق و مغرب کے

درمیان ایک نئی نہر سوئز بنائیں، ایسی نہر سوئز جو مشرق و مغرب کے درمیان مساویانہ و مشترک تبادلہ کا ذریعہ بنے، ایسی نہر جو مشرق سے ایمان و یقین اور عمل صالح کی دولت مغرب کو پہنچائے، اور مغرب سے اس کے لیے صرف اور صالح وسائل زندگی مشرق کو منتقل کرے، لیکن افسوس ہے کہ جن لوگوں سے اس کام کی توقع تھی، اور جن کو یہ فرض انجام دینا تھا، وہ مغرب کے محض نقال بن کر رہ گئے تھے، ان کا کارنامہ ہر قسم کی ذہانت، جدت، جرأت اور مجتہدانہ قابلیت سے عاری ہے، وہ امام اور پیشوا بننے کے بجائے مغرب کے محض مقلد اور اس کے ضمیمہ دار ثابت ہوئے۔

بقول علامہ اقبال ؎

کرسکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

یورپ میں تعلیم پانے والے نوجوانوں کی ذمہ داری

عزیز نوجوانو! آپ مغرب اس لئے نہیں آئے کہ آپ موم کی طرح پگھل جائیں، آپ اس لئے آئے ہیں کہ ایک نیا عالم تعمیر کریں، ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اور ان کے پیرو ہی ایسا عالم تعمیر کرسکتے ہیں، جن پاکباز، امانت دار ہاتھوں نے حرم تعمیر کیا انھیں کے نام لیوا اور انھیں کے پیرو نئے عالم کی تعمیر کرسکتے ہیں، آج دنیا زبان سے یہ کہہ رہی ہے۔ ع

معمار حرم باز بتعمیر جہاں خیز

آپ کو نقالی سے بلند ہونا چاہیئے

آپ مغرب اس لئے ہرگز نہیں آئے ہیں کہ یہاں سے واپس جاکر اہلِ مشرق کو طوطوں کی طرح رٹا رٹایا سبق سنائیں، بندروں کی طرح نقلیں بنائیں، مشرق کو ایسے صاحبِ ہمّت اور صاحبِ دانش انسانوں کی ضرورت ہے جن میں ایسی جرأت ہو کہ وہ مغرب سے کہہ سکیں کہ تو نے یہاں یہاں غلطی کی جو اس کے پورے نظامِ زندگی سے اعلانِ بغاوت اور اعلانِ جنگ کرسکیں، اور حضرت ابراہیمؑ کے الفاظ میں کہہ سکیں:۔

كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا	ہم تمھارے منکر ہیں اور ہم میں
وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ	تم میں ہمیشہ کے لئے بغض و عداوت
أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ	ظاہر ہوگیا جب تک تم خدائے
(الممتحنہ۔۴)	واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

لیکن وہ لوگ جن کو ایک ہی بات کہنی آتی ہو کہ مغرب نے تو سب صحیح کیا، یہ لوگ مشرق کے کام نہیں آسکتے۔

اس وقت مشرق کو ان بلند حوصلہ، بیباک اور جری نوجوانوں کی ضرورت ہے، جو مغرب کی آنکھوں سے آنکھیں ملا سکیں۔

مغرب کے ان غاشیہ برداروں کی کوئی قیمت نہیں، جنھوں نے مغرب کو اپنے سروں پر سوار کرلیا ہے، وہ مغرب کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور مشرق کو اپنے پیروں تلے روندتے ہیں، ترکی، انڈونیشیا اور مصر وغیرہ کے موجودہ قائد کسی

مجتہدانہ کردار اور کسی تخلیقی قابلیت کا ثبوت نہیں دے سکے آپ کی منزل ان سے بہت آگے ہونا چاہیئے، انھوں نے مغربی اقتدار و افکار کے قدموں پر سب کچھ قربان کر دیا، اور اس کے بدلہ میں مشرق کے لئے جو بھیک حاصل کی وہ قربان کی ہوئی دولت کے آگے کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

صرف سائنس داں اور انجینیر ہونا کافی نہیں

عزیزو! آپ کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ آپ کو جنھوں نے یہاں بھیجا ہے' ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ آپ صرف اچھے سائنس داں' اچھے ٹیکنیشن، اچھے انجینیر، اچھے آرٹسٹ اور مغربی زبانوں اور ادبیات کے اچھے ماہرین کر جائیں۔

اگر آپ صرف سائنس داں، صرف انجینیر اور صرف قانون داں بنے تو آپ نے ملک کو صحیح فائدہ نہیں پہنچایا، آپ کو ان علوم میں مجتہدانہ قابلیت پیدا کرنی چاہیئے اگر آپ قانون کے طالب علم ہیں تو آپ کو اسلامی قانون پر عبور حاصل کرنا چاہیئے، اور دنیا کے اصول قانون کا گہرا مطالعہ کر کے اسلامی قانون کی برتری ثابت کرنی چاہیئے، آپ کو اپنے ملکوں میں جا کر کہنا چاہیئے کہ مغرب کا کس قدر برا حال ہے' وہ اس وقت پکے ہوئے پھل کی مانند ہے' جو کسی وقت بھی گرنے والا ہے۔

اگر آپ نے مشرق میں جا کر کہا کہ مغرب سرتاپا خیر اور سراسر بے عیب ہے' تو آپ نے اپنی قوم کو دھوکا دیا، اور ایک خلاف واقعہ بات بیان کی آپ کو یہاں سے واپس جا کر اپنے بھائیوں کو بتانا ہے کہ مغرب کے پاس کیا خوبیاں ہیں؟

اس کی قوت کا کیا راز ہے، اور ان کی زندگی کے کون سے پہلو قابل تقلید ہیں؟ اس طرح مغرب کی کون سی بیماریاں ہیں، جو اس کے درخت کو گھن کی طرح کھاتی جا رہی ہیں، وہ آج کس اخلاقی جذام میں مبتلا ہے، ہمیں اس کی کن کن چیزوں سے پرہیز کرنا ہے، اور اس کی کون سی چیزیں ہیں، جن میں شرق کو اس کی تقلید کرنے کی ضرورت نہیں، اور جن کا مغرب سے طاقت اور اقتدار سے کوئی تعلق نہیں۔

ابھی آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں

اگر میں یہ بات دہلی، کراچی یا قاہرہ میں جا کر کہتا یا کسی اور مشرقی شہر کے قائدین کے سامنے پیش کرتا جو اپنی فکر اور تربیت میں پختہ ہو چکے ہیں تو یہ بعد از وقت بات ہوتی، وہاں یہ باتیں کہنے کا وقت نکل چکا ہے، ذہن و فکر اور قلب و دماغ کے سانچے یہاں ڈھلتے ہیں، اور وہاں جا کر اپنا عمل شروع کرتے ہیں، اس لئے کہنے کی جگہ وہی ہے، جہاں یہ سانچے بنتے ہیں، ابھی یہاں اس بات کا وقت نہیں نکلا، یہ سبق دراصل یہیں سنانے کا ہے، آپ ہی کو اپنے ملکوں کا قائد و رہنما بننا ہے، آپ ہی کو اپنی قوم کی تعمیر کرنی ہے، اگر آپ کو اپنی قوم کی عظیم صلاحیت اور قیمت کا احساس یہیں پیدا ہو جائے، اور آپ کے دل میں اسلام کی زندگی کی صلاحیت اور اس کی اندرونی طاقت اور اس کی افادیت پر اعتماد پیدا ہو جائے تو آپ نے سب کچھ پا لیا۔

دعوتِ عمل

آپ کو جو ملک سپرد کئے جا رہے ہیں، وہ بہت بڑے بڑے اور اہم ملک ہیں، اتنی بڑی سوسائٹی اور قوت کسی کو نصیب نہیں، آپ ان ملکوں کی اقتصادیات ان کی دولتوں اور ذخائر اور ان کی انسانی صلاحیتوں کا جائزہ لیجئے، اور ان کا نیا نقشہ بنایئے، اپنے علم و فن سے پورا فائدہ اٹھایئے اور اسلامی مقاصد کے لئے ان کو زیادہ سے زیادہ کار آمد بنایئے، بے لوث اور بے غرض خدمت کی مثال قائم کیجئے اگر آپ نے ایسا کر لیا اور آپ نے اسلامی قیادت کا صحیح مقام حاصل کیا تو آپ کو دنیا اور تاریخ میں وہ مقام حاصل ہوگا، جو نہ کمال اتاترک کو حاصل ہوا نہ جمال عبد الناصر کو، نہ بن بلّہ اور احمد سوکارنو کو نہ دوسرے اسلامی ممالک کے قائدین کو۔

یہ محبوبیت و اعتماد احیائے ملّت، اعلائے کلمۃ اللہ اور بے لوث و بے غرض خدمت کا مقام ہے، جو تاریخ میں بڑے نصیبے والوں کو حاصل ہوتا ہے، اس طرح یہ ملک اس ذہنی، اخلاقی اور طبقاتی کشمکش سے بھی نجات پائیں گے جس میں ان قومی رہنماؤں نے ان کو بالکل غیر ضروری طریقوں پر مبتلا کر دیا ہے، جو ان قوموں کے مزاج معتقدات و روایات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔

اپنے کو پا لیجئے

آپ اپنی اور اپنی قوموں کی صلاحیتوں سے آشنا ہوئیے، خود اپنی ہستی،

اپنی ترقی اور فتوحات کے عظیم اور وسیع امکانات کا انکشاف کیجئے، اور اپنی نامعلوم نئی دنیا کو دریافت کر کے ایک انقلاب پیدا کیجئے۔

آپ مجھے یا میری باتیں سمجھیں یا نہ سمجھیں اپنے کو سمجھنے کی کوشش کیجئے اور اپنے کو پا لیجئے ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

(ترجمہ:۔ محمد الحسنیؒ)

یورپ جانے والے نوجوانوں کی ذمہ داریاں

یہ مضمون اسلامک سینٹر جنیوا کی فرمائش پر لکھا گیا تھا جسے ۱۹۶۱ء میں موقر عربی رسالہ المسلمون نے شائع کیا۔

یورپ جانے والے نوجوانوں کی ذمہ داریاں

میرے عزیزو!

سات سمندر پار سے میں آپ کو تہہ دل سے مبارک باد اور سلام پیش کرتا ہوں وہ سلام جو میرے خلوص اور اسلامی جذبات کا آئینہ دار ہے، میرے نزدیک یورپ اور امریکہ کے لئے آپ کا یہ سفر یا مغربی تہذیب کے کسی بھی گہوارۂ علم، ثقافتی، تہذیبی یا صنعتی سرگرمیوں کے مرکز میں جس نے دنیا کو متاثر کیا ہے، ان میں سے کسی بھی جگہ آپ کا وجود اور قیام کوئی اضطراری یا اتفاقی واقعہ نہیں ہے، جو بغیر رضا و رغبت کے پیش آجایا کرتا ہے، اور نہ کوئی ایسا المیہ ہے، جو دلاسہ کا مستحق ہو۔

میرے نزدیک آپ کا یہ سفر خواہ وہ چند دن کے لئے ہو، یا اس کی حیثیت مستقل ہجرت کی ہو، خواہ اس کے اسباب و محرکات کچھ بھی رہے ہوں بہرحال اللہ کی طرف سے ایک ایسا موقعہ ایک عطیہ اور عنایت ہے جس سے اسلام اور مسلمان اپنی طویل تاریخ میں بار بار سرفراز ہوتے رہے ہیں۔

یہ سفر آپ کی شخصی زندگی کے لئے بھی باعث سعادت ہے، اور اس جدید ماحول اور معاشرہ کے لئے بھی جس کی آج دنیا میں حکمرانی ہے، یعنی مغربی معاشرہ جس میں روس اور امریکہ دونوں شامل ہیں، یہ ایک ایسا موقع ہے، جس میں آپ کے اندر اسلام پر اعتماد و یقین، قرآن مجید پر ایمان کامل، انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور خاتم الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر مکمل اعتماد پیدا ہوگا، اس لئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت و نبوت آپ کی پاکیزہ تعلیمات جو رہتی دنیا تک رہنے والی ہیں، آج بھی اپنے اندر مقبول عام ہونے اور نقش دوام بننے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے، آپ اس وقت یورپ کی اس نئی روشنی کے سامنے ہیں، جس نے یورپ کے سماج میں جمود و تعطل کے طویل دور اور تقلید و تکرار کے مسلسل عمل کے بعد عالم افکار میں ایک نیا تجربہ فکر و فلسفہ میں ایک نیا رجحان بلکہ انقلاب پیدا کیا اور اس میں زندگی کی ایک نئی لہر پیدا کردی۔

مغرب کا نظریۂ زندگی

اسلام کے نونہالو!

سب سے اہم پہلو جو صرف آپ سے متعلق ہے یہ ہے کہ نئی تہذیب کے داعیوں کا خیال بلکہ دعویٰ ہے کہ متمدن انسانی سماج، ایمان و عقیدہ کے توہمات، اخلاقی اقدار اور مذاہب کی تعلیم اور آسمانی رسالت سے ہٹ کر بھی

قائم ہوسکتا ہے، بلکہ اس کو قائم ہونا چاہیئے، اس کی بنیاد علم وسائنس، تنظیم، صنعت وحرفت، معاشی اور سیاسی استحکام اور اس کی سوجھ بوجھ، قومیت، وطنی عصبیت اور دستوری وجمہوری معاہدوں پر اٹھنی چاہیئے، اور یہ کہ سماج کی ترقی اور نشو ونما صرف ان جدید وسائل وآلات سے وابستہ ہے، جو ہمارے علوم طبعی فزکس اور کیمسٹری وغیرہ نے پیدا کئے ہیں۔

سماج کی کامیابی اور انسان کی فلاح وبہبود اس میں ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے کائنات اور فطرت کی تسخیر کرے کائناتی علوم ہی سرمایہ نجات ہیں، ماضی میں انسان کی ناکامی کا سبب یہ تھا کہ تعارف وتبادلۂ افکار کی راہیں آسان نہ تھیں، اور دنیا مختلف حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔

مغرب نے اس نظریہ کو منوانے کے لئے سخت اصرار کیا، اور اس جوش وولولہ کے ساتھ جو کسی نومسلم میں پایا جاتا ہے یا کسی داعی کا خاصہ ہے۔

اس کا نعرہ یہ تھا کہ "لَا اِلٰہ ولا دین ولا غیب ولا ایمان ولا روح ولا آخرۃ" "نہ معبود نہ دین نہ غیب ہے، نہ ایمان، نہ روح ہے، اور نہ آخرت" اس کے نزدیک شریعت اور اس کا روحانی نظام محض چند توہمات ہیں، اور اصل حقیقت، احساس، تجربہ، لذّت، منفعت، قومیت، وطنیت یا طبیعیت وجذبات آزادی اور جمہوریت،

کمیونزم اور اشتراکیت ہے۔

اس تہذیب کے مضر اثرات ونتائج

اس میدان میں اس فکر و نظر کے علمبردار، اس دعوت کے داعی اور ساتھ ہی ان کے مخالفین اپنے نظریات و خیالات کے ساتھ سامنے آئے اور انھوں نے مغرب کی فکری تقسیم کی اور اس سلسلہ میں ان کے مختلف مکاتبِ فکر ظہور میں آئے جن کی چھاپ آج علم و ادب پر اثر انداز ہے، یورپ کے موجودہ سماج نے ان سب سے کسب فیض کیا اور مجموعی حیثیت سے تھوڑا یا بہت اس کے اثرات قبول کئے اور بہر حال "مادیت" کی قدر مشترک کو اپنا لیا۔

یورپ کو اس وقت یہ موقع مل گیا ہے کہ وہ ان اصول و مبادی (جن پر اس کا یقین ہے) کا نفاذ پوری آزادی اور جرأت سے کرے اور یہ تاریخ کا انوکھا اور نیا واقعہ ہے یہ موقع اپنے آلات و وسائل اور سہولت کی کثرت کی بنا پر اس کے لئے زیادہ موزوں اور زیادہ اثر پذیر ثابت ہوا جو قیادت کی تاریخ میں غیر معمولی شخصیات (GEMUS) اور وسیع العلم دنیا کے ہاتھ کم آتا ہے، اس وقت اس کے سامنے کوئی ایسی طاقت نہیں تھی، جو اس سے نبرد آزما یا برسرپیکار ہو سکے یا اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا کر سکے کلیسا بہت پہلے یورپ کے مادی اور فکری سرکشی کے طوفان کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال چکا تھا، پورے مشرق اسلامی نے

اس کے سیاسی اور فکری معرکوں کے سامنے انیسویں[19] صدی میں اپنی پیشانی ٹیک دی اور پوری دنیا، مشرق و مغرب شمال اور جنوب اس کے سامنے سرنگوں ہوتے چلے گئے۔

حسن اتفاق سے یورپ کو اپنی تمام صلاحیتیں مادی شکل میں پیش کرنے کا موقع ہاتھ آیا اور اس نے اس مادیت کو دنیا کے اسٹیج پر نعروں، تالیوں اور تائیدی آوازوں کی گونج میں پیش کیا۔

لیکن یہ ڈرامہ جو ذہین ترین انسانی عقلوں اور اعلیٰ درجہ کی ذہانتوں کا نتیجہ تھا، اپنے مقاصد میں اس طرح ناکام ہوا کہ اس کی مثال تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔

جس کے نتیجہ میں یہاں اندرو باہر عداوت و چپقلش ہے، افراد، طبقات اور برادریوں میں کشمکش ہے، جنگ کے خوفناک بادل چھائے ہوئے ہیں، ایک آتش فشاں پہاڑ ہے، جو کسی بھی معمولی سبب پر پھٹنے کے لئے تیار ہے، انسانیت کے حسرتناک خاتمہ کی پرہول چیخیں ہیں، اعتماد، سکون اور جذباتی ہم آہنگی مفقود ہے، اعصاب اور دل و دماغ پر خوف و ہراس طاری ہے، ایک مسلسل اضطراب ہے، اخلاقی انتشار کا ناقابل قیاس طوفان ہے، ایک روحانی خلا ہے، جو بھرتا نہیں، ایک مستقل مایوسی ہے جو لاعلاج ہے، یہاں صرف یاس و ناامیدی، بدشگونی، حیرت اور اضطراب کا عالم ہے۔

مغربی تہذیب کے اضطراب کی کہانی اس کی مستحق ہے کہ اسے بار بار

بیان کیا جائے، اور اس کی مستقل تکرار ہوتی رہے، یہ انسانی زندگی بلکہ اس کی تاریخ کا اہم ترین قصہ اور حکایت ہے، اس لئے کہ مشرق میں اب بھی کچھ ایسے لوگ ہیں، جو اس تہذیب کی معصومیت اور اس کے تقدس پر ایمان رکھتے ہیں، انہیں یقین ہے کہ اس جیسی تہذیبیں کبھی مٹ نہیں سکتیں، اور نہ کبھی وہ دیوالیہ ہو سکتی ہے، وہ اس کو عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

مادی نظام کی خرابی

ملّت کے نوجوانو!

آپ اس تہذیب کے درمیان رہ کر اس آگ کی تپش محسوس کرتے ہیں، اس کی فضا میں سانس لیتے ہیں، آپ اس کے اضطراب اور بے چینی اور ہر جگہ اس کے زوال کے آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں، آپ اس کا مشاہدہ یہاں کے سیاستدانوں کے اخلاق، ان کی سیرت و کردار میں کرتے ہیں، ان کے دلوں میں انسانی جذبات کی قدر و قیمت کے زوال، معاشرہ میں انسانی اقدار اور اس کی بے قیمتی، مروّت و شرافت کی توہین، اخلاقی اقدار کے انحطاط اور سماج میں مفاسد و جرائم کی کثرت کی شکل میں کرتے ہیں، آپ اس کا مشاہدہ سیاست و فکر کے ان قائدین میں کرتے ہیں، جو انسانیت کے پیغام کو سمجھنے یا اس کو دوسروں تک پہنچانے میں معذور و معطل ہیں، وہ اس روح سے جو معاشرہ کو زندگی عطا کرے قوم کی مقصد کی طرف رہنمائی کرے اور اس کے یکجا ہونے میں مدد دے، عاجز و معذور ہیں۔

یہ تہذیبی معاشرہ جو تمدّن تنظیم اور بیدار مغزی کے اعتبار سے اوج کمال تک پہنچ چکا ہے، انسانی اعتماد پر قرار رکھنے سے بھی معذور ہے۔

ان آثار اور مشاہدات کے بعد آپ پر یہ حقیقت ظاہر و عیاں ہو جانی چاہیئے کہ ہر وہ معاشرہ جو ایمان کی بنیاد پر قائم نہ ہو وہ بربادی اور ہلاکت کے پرخطر گڑھے میں پاؤں لٹکائے ہوئے ہے، اور کسی بھی معمولی اشارہ پر اس کا اس میں گر جانا متوقع ہے، یہ ممکن ہے کہ اس کی مدّت کچھ اور بڑھ جائے یا اس کی طاقت کچھ مزید ابھرے، لیکن اس کا انجام کسی ایسی ہی بربادی پر ختم ہوتا ہے۔

درحقیقت ایمان و یقین کا راستہ انبیاء و مرسلین کی دعوت اور ان کی سیرت ہے، جو انسان کی زندگی میں، اُمتوں اور قوموں کو، کردار کی روح، ایمان کی حرارت اور انسانی شرافت کے نور سے فیضیاب کرتی ہے، اور اس مرتبہ پر الٰہی صفات کے سوا انسانی زندگی تمام اعلیٰ صفات سے مالامال ہوتی ہے، ان سے یونیورسٹیوں اور کالجوں کے بغیر اور علمی مجالس (ACADEMIES) اور نشر و اشاعت کے وسائل سے بے نیاز ہو کر ایمان و شجاعت کی روح ملتی ہے، ان سے طمع، حرص، جھوٹی نمائش کی محبت دلوں سے نکلتی ہے، وہ انسانوں کو حیات بخش قوت پہنچاتے ہیں، اور ان میں آخرت کی قیمت اور دنیا کی بے ثباتی کا یقین، اور ایثار و بےغرضی کا رجحان پیدا کرتے ہیں، وہ ان میں اس خدا پر ایمان لانے کے لئے جسے انسانوں نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو، نہ ان کا شعور اس کا ادراک کر سکتا ہو،

اور اس طرح اللہ کے لئے فنا ہو جانے کے جذبات کو جلا دیتے ہیں، سیرت اور تاریخ کی کتابیں آج بھی ان کی روح پرور حالات بیان کرتی ہیں، اگر یہ حالات و حقائق حد تواتر تک نہ ہوتے تو شاید بہت جلد لوگ اس کی تکذیب پر آمادہ ہو جاتے، یہ انسانیت کا وہ طبقہ ہے جس نے تہذیب کے رہے سہے سرمایہ کی حفاظت کی ہے، انھوں نے معاشرہ کو بار بار حیوانیت، انارکی، اور من مانی زندگی سے بچایا ہے، انھوں نے انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو اس کی زندگی کے آخری لمحات میں موت کے منہ سے نکالا ہے جس پر وہ تہذیبی سرمایہ امانت تھا جو ہزاروں سال کی کوششوں سے وجود میں آیا تھا، انھوں نے اخلاقی اقدار، اور صالح تصوّرات کو ہمیشہ ضائع ہونے سے بچایا ہے، اور اس طرح انسانی نسلوں کی مدّت میں اضافہ ہوتا رہا ہے، ان تمام کوششوں میں ان کا گہرا خلوص، زندگی کی بقاء اس کی صحیح رہنمائی اور نجات انسانی کے جذبات شامل رہے ہیں۔

اسلام کے عالمگیر امتیازات

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، جس میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ یہ قدیم مذاہب جنھوں نے انسانیت کا ساتھ دیا تھا، اس کی مشکلات میں صحیح رہنمائی کی تھی، جن کا احسان آج بھی انسانی تمدّن کی تاریخ میں ناقابلِ فراموش ہے، وہ آج حوادثِ زمانہ کی زد میں آ کر اپنی قوت و طاقت کھو چکے ہیں، بلکہ یوں کہئے کہ ان کی زندگی ختم ہو چکی ہے، اس چراغ کی بتی کا تیل ختم ہو چکا ہے

اور اس کا گل جل کر گر گیا ہے، اس تخم سے اس کا تیل کھینچ لیا گیا ہے، اور اب ان میں بھوک مٹانے کی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے، وہ اپنی قوتِ زندگی اور طاقت کے اعتبار سے ہرگز اس قابل نہیں کہ مادّی تمدّن کے اس پرزور طوفان کا مقابلہ کر سکیں، اس دین کے علمبرداروں کا بھی اس دین سے اعتماد اٹھ چکا ہے، وہ اس زمانہ کے لئے موزوں بھی نہیں، اور نہ ان میں پرجوش جذبۂ ایمانی اور شوقِ جہاد ہے، جدید عصری تہذیب اور اس کے چیلنج کو قبول کرتے یا اس سے مقابلہ کرتے ہیں وہ عضوِ مفلوج کی مانند ہیں، ان میں سے اکثر بلکہ سب نے مغربی مادہ پرستی کے آگے تقریباً ہتھیار ڈال دیئے ہیں، ان کے پیرو اس بات پر مطمئن ہو گئے ہیں کہ مادیت سے زندگی میں مفر نہیں، اور یہ انسانیت کی آخری منزل ہے۔

لیکن اس نازک موڑ پر اب بھی ایک دین محفوظ ہے جو زندہ اور زندگی بخش، حق پرست اور حقیقت پسند، پاکیزہ اور ہر نقص و عیب سے مبرّا ہے، اس کا ہر پیرو ہمیشہ سے یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اس پر کائنات کے احتساب اور تہذیب کی بقاء اور انسانیت کے صحیح اور غلط رجحانات کے محاسبہ کی ذمّہ داری ہے، اسے اپنی ذمّہ داری کا جواب دہ ہونا ہے، وہ تمام مذاہب میں اپنے دین پر چار حیثیتوں سے ممتاز ہیں۔

(۱) ان کے پاس اس کتابِ عظیم کا سرمایہ ہے، جو زندگی سے بھرپور انسانی سعادت اور اس کی صالح قیادت سے معمور ہے، وہ اپنے دامن میں لامحدود علوم اور دقیق فنون سمیٹے ہوئے ہے، وہ عقل و خرد کے لئے نشاط انگیز انسانیت کا

لازوال سرمایہ اور ایسا سرچشمہ ہے، جو کبھی خشک نہیں ہوتا، اور نہ اس کے بہتے ہوئے دھارے زندگی سے کٹ سکتے ہیں، اس نے انسانی زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا کیا ہے، اور اب بھی اس میں یہ جوہر ہے کہ وہ ایک بار پھر انسانی قیادت میں نئی روح اور اس کی موجوں میں نیا اضطراب پیدا کردے۔

(۲) اسی طرح سیرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ معطر خزینہ جو انسانیت کے لئے سب سے زیادہ روشن اور حسین ہے، یہ انسانی زندگی کا سب سے زیادہ تابناک صفحہ ہے، جو انسانیت کے صحیح مقام و منصب کی یاد دلاکر دوبارہ حاصل کیا جاسکتا ہے، اس کے مطالعہ سے انسان کا اپنے اوپر اعتماد اور اپنے اشرف ہونے کا فخر و احساس زندہ ہوتا ہے، یہ ایسی حسین تصویر ہے، جس کے سامنے کوئی بھی انسان جسے جمالیاتی ذوق اور کمال سے محبت ہو اپنے کو اس سے وابستہ کرنے پر فخر محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا، اس کی تمنّا اور جستجو ہوگی کہ وہ اس کی تقلید کے سہارے ایسی بلندی حاصل کرے جو اس کی زندگی میں قوت، سکون، پاکیزگی اور بلندی کے جوہر نمایاں کردے، اس سے انسان کی عقل و خرد کی گرہیں کھلتی ہیں، اور اس میں پوشیدہ حقیقتوں کا انکشاف ہوتا ہے، یہ حسین کمالات و صفات کا مرقع جوں کا توں موجود ہے، جس کو زمانہ کا ہیر پھیر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا ہے۔

(۳) اسلامی شریعت کا محفوظ ذخیرہ جو آج تک بغیر کسی تبدیلی کے اپنی اصل اور حقیقی بنیادوں پر اس طرح موجود جس طرح صاحب شریعت محمد صلے اللہ

علیہ وسلم نے چھوڑا تھا۔

اپنی فقہی صلاحیتوں سے مالامال اور قدیم و جدید کے مزاج سے ہم آہنگ ہے اپنے ماضی پر نازاں اور حال کے لئے مستعد اور موزوں اور مستقبل کے لئے قائم دائم ہے، اس کے پاس ایسی صالح اور حکیمانہ محکم بنیادیں ہیں جن پر کسی صالح معاشرہ یا تہذیب کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

(۴) آج بھی پیروانِ اسلام میں دینی جذبات کا پر جوش ولولہ، قوّت اور تاثیر ہے، جو ان کی کمزوری ایمان، بے حسی، اور مرض کے باوجود ان کے وجود میں خوابیدہ اور ان کے ضمیر میں پوشیدہ ہے کسی بھی مخلص داعی کے سامنے وہ آج بھی اپنے کو پیش کرنے اور اسلام کے نام پر قربانیاں دینے کو تیار ہیں، یہ قوّت و جذبات کا وہ حسین پہلو ہے جس سے مغرب کی قومیں مفلس اور خالی ضمیر ہیں، اس کا اندازہ اس شخص کو ہو سکتا ہے، جس کو دعوت اور احیائے دین کے سلسلہ سے کسی قوم میں کام کرنے کا موقع ملا ہو۔

تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ذمّہ داری

یورپ اور امریکہ میں رہنے والے یا وہاں تعلیم حاصل کرنے والے نوجوان بھی اس عظیم اُمّت اسلامیہ کے فرد اور اس جسم کے عضو ہیں، وہ اسی خاندان کے فرد اور اس کے عالمگیر خاندانی ورثہ کے وارث ہیں، خاندان کے یہ معنیٰ نہیں جیسے جہلا اور ناواقف لوگ خاندانی تعلقات اور رشتوں سے جوڑتے ہیں، اور نہ اس میں اس ترکہ کا مفہوم ہے، جو مستشرقین اور ناواقف محققین کا

تصور ہے وہ اس موضوع پر (LEGACY OF ISLAM) کے نام پر کتابیں لکھ کر اپنی کم عقلی کا ثبوت دیتے ہیں، بلکہ خاندان اس عظیم اور عمیق معنی اور حقیقت کے لحاظ سے جو اہلِ دانش کی اصطلاح ہے یعنی اس خاندان کے افراد جس نے علم اور دین کے راستہ میں خدمت و قربانی اور ایثار و جدوجہد کی راہ سے کوئی ممتاز مقام حاصل کیا ہو۔

اسلامیات کا از سرِ نو مطالعہ

میرے فاضل نوجوانو!

آپ اسلام کا از سرِ نو مطالعہ کریں اور ان خصوصیات اور اس کے روشن امتیازات کی روشنی میں غور کریں جسے ہم نے اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے، آپ نئے طرز نئے انداز اور جدید خطوط پر اسلام کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس کے مطالعہ میں اپنی سنجیدہ فکر کا استعمال کریں، آپ قرآن مجید کا مطالعہ کتابوں کی تشریحات سے نہیں بلکہ دل و دماغ کی فکر سے کریں، اس کے سمجھنے میں اپنے تدبر کو کام میں لائیں، اسے اس طرح پڑھیں کہ وہ کوئی قدیم آسمانی کتاب نہیں بلکہ اس دور کے لئے نازل ہوئی ہے، بلکہ اس کا نزول ابھی آپ پر ہو رہا ہے، اور آپ ہی اس کے مخاطب ہیں، آپ سیرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور حدیث شریف کے مطالعہ میں اپنا قیمتی وقت صرف کریں، اور صاحب سیرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شخصی محبت اور ذاتی تعلق پیدا کرنے کی کوشش کریں، یہ تعلق، مطالعہ، تحقیق، محبت، جذبات، تکریم، تعظیم اور

اتباع وتقلید کی پاکیزہ بنیادوں پر قائم ہو۔

دعوت اسلام کی نمائندگی

اس کے بعد آپ پر فرض عین ہے کہ آپ یورپ میں اسلام کی صحیح نمائندگی کریں، اسلامی عقائد کا اظہار پوری جرأت سے کریں اور اس کی صحیح تصویر پیش کریں، اسلام کے دیئے ہوئے فرائض، اخلاق اور شعائر کی حفاظت کریں، آپ ایسے دین کے نمائندہ ہیں، جو خیر الادیان اور موجودہ معاشرہ اور تہذیب کے لئے موزوں ہے، اور اسے آپ کی ضرورت ہے۔

اچھی مثال قائم کیجئے

آپ کو اپنے دوستوں، اور ہم عمر مسلمان نوجوانوں کو جو اسلام کی نمائندگی میں شرم محسوس کرتے ہیں، ان کے سامنے اس کی اچھی شکل پیش کرنا ہے، اسلامی ملکوں، عربی مراکز کی یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے نوجوان جو اسلام کے اظہار سے کنارہ کش رہتے ہیں، ان کے لئے ایک اچھی مثال قائم کرنا ہے، اور اس کے لئے یقیناً آپ کے واسطے ایک مستقل اور مسلسل اجر کا وعدہ ہے، اس پاکیزہ اسلامی زندگی کے ساتھ جو صلاح وتقویٰ، صدق وامانت، ذکر وعبادت، رضا وقناعت، نشاط وقوت، روحانی بالیدگی اور پرکیف جذبات سے معمور ہے، آپ اپنے دوست واحباب اساتذہ اور پاس پڑوس کے رہنے والوں کو اسلام کی طرف کھینچ سکتے ہیں، تاریخ کی شہادت ہے کہ اس طریقہ پر اسلام نے

سیکڑوں دانشمندوں کو اپنی گود میں پناہ دی ہے، اور بغیر کسی لشکر کی فوج کشی اور مجاہد کی تلوار کی جنبش کے ملکوں اور قوموں نے اس سرمایۂ حیات کو سینے سے لگایا ہے۔

ممکن ہے آپ کسی یونیورسٹی کے طالب علم ہوں کسی کارخانہ میں کام کرتے ہوں، یا کسی دفتر میں ملازم ہوں، آپ کا عہدہ چھوٹا یا حقیر ہو لیکن آپ کا وجود آپ کے عقیدہ اور آپ کی دعوت کے لحاظ سے بہت زیادہ بلند ہے، آپ کے اساتذہ جن سے آپ نے کسی بھی فن میں استفادہ کیا ہو، ان پر آپ کے کچھ حقوق ہیں، اور اسلام سب سے پہلے حق دار کو حق دلانے کی کوشش کرتا ہے، ان کو اسلام کو سمجھنے کے لئے آپ کی شخصیت کی صحیح نمائندگی کی ضرورت ہے، آپ ان کے لئے ہادی اور مرشد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

نادر اور حسین موقع

آپ ان حالات میں اپنی اہمیت اور قیمت محسوس کریں اور اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور اس کے حقوق کو پورا کریں، میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ یورپ یا امریکا میں آپ کا قیام ایک نادر اور حسین موقعہ ہے، جس سے آپ کو فائدہ اٹھانا لازم اور اس سے اسلام کی صلاح اور انسانیت کی بہبودی کا راستہ ہموار کرنا ضروری ہے، ان ممالک میں آپ کا وجود آپ کے ایمان کے لئے باعث تقویت بنے گا، اور اس دین پر اعتماد پیدا کرے گا، جس سے آپ مشرف ہیں، اس سے اسلام کی ترقی کے لئے نئی راہیں کھلیں گی۔

اوران گوشوں میں اس کی اشاعت کے مواقع فراہم ہوں گے آپ ایسے مقام پر ہیں، جہاں مدّت سے اسلام کی نعمت مفقود ہے اس کا نظام منہج نبوت کے خلاف اور آسمانی پیغام کے برعکس ہے، وہ اخلاقی اقدار اور روحانی صلاحیتوں کے بالکل مخالف ہے۔

اس لئے ممکن ہے آپ کا وجود اس خلاء کو پر کرسکے۔

(ترجمہ: مولوی سلمان شمسی ندوی)

دنیا کی موجودہ کشمکش اور اس کا علاج

یہ تقریر جنوری ۱۹۵۴ء میں مئو ضلع اعظم گڑھ میں (جو ایک بڑا صنعتی مرکز ہے) ہندو مسلمانوں کے ایک مشترکہ جلسہ میں کی گئی جس میں مختلف سیاسی پارٹیوں اور عقیدوں کے لوگ شریک تھے۔

دنیا کی موجودہ کشمکش اور اس کا علاج

ہمت شکن تجربے

اس وقت دنیا کی تقسیمیں بڑی بے رحم ہیں، پہلے سلطنتوں اور قوموں نے ملکوں کو بانٹا تھا، مگر اب سیاسی تحریکوں نے قوموں اور محلوں کی بانٹ دیا ہے، مذہب کی آڑ میں ایسے فتنے نہیں تھے، جتنے آج کی مہذب دنیا اور جمہوری دور میں نظر آرہے ہیں، آج کے سیاسی پلیٹ فارم لوگوں کو جدا کرنے کے لئے یا اپنے گروپ بڑھانے کے لئے مخصوص ہیں، لیکن اب بھی بے غرضی سے پکارا جاتا ہے تو لوگ اب بھی جواب دینے کو تیار ہیں، ابھی اس کا امکان ہے کہ سیاسی پلیٹ فارم کے علاوہ بھی لوگ جمع ہو جائیں، ہم نے خالص انسانی مسئلوں پر غور کرنے کی دعوت دی، ہمارا دل بہت خوش ہے کہ آپ نے دعوت قبول کی، آپ کا سیاسی تحریکوں سے گھبرانا تعجب نہیں، انسان اپنے تجربوں ہی سے نتیجے نکالتا ہے، آدمی بار بار جن چیزوں سے فائدہ ہوتے دیکھتا ہے، اس سے قاعدہ بنا لیتا ہے، آج اغراض کے لئے جمع کرنے کی عادت ہے، آپ ہم پر بھروسہ کریں، ہم کسی پارٹی کے

ماؤتھ پیس (MOUTH PIECE) یا لاؤڈ اسپیکر نہیں ہیں، ہمارے سامنے خالص انسانیت کا مسئلہ ہے۔

اقتدار کی ہوس

اس وقت کا انسان اصل بگاڑ سے آنکھیں بند کرکے کہتا ہے کہ سب ٹھیک ہو رہا ہے، لیکن میرے اہتمام سے ہونا چاہیئے جو کچھ ہو، میری نگرانی اور چودھراہٹ میں ہو، بداخلاقی، بے مروتی، چوربازاری، دولت سمیٹنے کی ہوس سب ٹھیک ہے لیکن اس کی تولیت ہمارے سپرد ہو تو خوب ہے آج سب کے دل کی خواہش یہی ہے، اور جب بھی کسی کے ہاتھ میں انتظام آیا ہے تو اس نے لوٹ پھیر کر وہی نظام قائم رکھا اور تھوڑی ترمیم کے بعد بات وہیں رہی جہاں تھی، بگاڑ کے سمجھنے میں مختلف پارٹیوں میں کچھ زیادہ بنیادی اختلاف نہیں کوئی نہیں کہتا کہ وہ سب کچھ جو ہو رہا ہے، نہیں ہونا چاہیئے بلکہ سب کا کہنا یہ ہے کہ جو ہو رہا ہے، ہمارے ماتحت اور ہماری سرپرستی میں ہونا چاہیئے گویا اس پر اعتراض نہیں کہ کارخانہ غلط ہے بلکہ اس پر غصہ ہے کہ ہمارا سایہ اس کے سر پر نہیں۔

عالمی جنگوں کی حقیقت

دنیا کی بڑی جنگیں اسی بنیاد پر لڑی گئیں، فرانس، انگلستان، جرمنی، روس، امریکہ وغیرہ سب اسی جذبہ کو لے کر اٹھے، انھوں نے لفظوں کو

آڑ بنا کر یہ مطالبہ کیا کہ نوآبادیات (COLONIES) کا انتظام دوسروں کے سپرد کیوں ہے، اور دوسری قوم ہمیشہ کیوں حاوی رہے، انسانیت کے درد سے بیقرار ہو کر ان میں سے کوئی نہیں اٹھا تھا، ان میں کوئی حضرت مسیح کا مذہب جاری کرنے اور دنیا کے ساتھ انصاف کرنے، فسق و فجور اور ظلم و زیادتی مٹانے نہیں اٹھا تھا، نہ انگریز نہ جرمن نہ روس، نہ امریکہ، انھیں اچھے بُرے، ظلم و انصاف، حق و باطل سے کچھ بحث نہ تھی، جاننا و کلا انھوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہم دنیا کو صحیح نظامِ زندگی دیں گے اور انسانیت کی خدمت کریں گے، ان کے پیش نظر یہ تھا کہ ہم لوگ سونے چاندی کی گنگا بہائیں گے اور ملکوں کے ذخیرے اور دولتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔

انسانیت کے مجرم

وہ دنیا پر اپنی اجارہ داری (MONOPOLY) قائم کرنا چاہتے تھے، یہ سب ایک نظامِ زندگی پر ایمان لائے تھے کہ تمام دنیا کو پامال کر کے انسانوں کی لاشوں پر عیش و عشرت کی محفل رچائیں گے اور آدمیت کے ملبہ پر اپنی قومی شوکت کا محل بنائیں گے، سب ترسے ہوئے ندیدے، دولت کے بھوکے، خواہشات کے غلام، شراب خوار، قمار باز، خدا کو بھولے ہوئے فطرت صحیح کے خلاف بغاوت کرنے والے تھے، دل رحم سے خالی انسانیت کے درد سے عاری انھیں کے نقش قدم پر آج قوم اور ملک، ذاتیں اور برادریاں سیاسی پارٹیاں، قومی ادارے اور قوم پرست حکومتیں چل رہی ہیں، سب کا

جذبہ یہ ہے کہ ہم اور ہمارے رفیق اور ساتھی، اور عزیز و احباب موجود ہیں وہ موجودہ حالت کو (ACCEPT) کرلیتے ہیں، ان کو صورتِ حال سے کوئی اختلاف نہیں، صرف ان لوگوں سے اختلاف ہے، جن کے ہاتھ میں باگ ڈور ہے، وہ دنیا بدلنا نہیں چاہتے صرف اس کی امامت و قیادت (LEADER SHIP) بدلنا چاہتے ہیں، ان کی کوشش صرف یہ ہے کہ دوسروں کی جگہ ہم آجائیں، آپ کے یہاں مقامی انتخابات ہوتے ہیں، ڈسٹرکٹ بورڈ، میونسپلٹی، ٹاؤن ایریا وغیرہ کے نئے انتخابات میں نئے نئے لوگ آتے ہیں، لیکن کیا کوئی ذہنیت، نیا اصولِ زندگی، نیا جذبۂ خدمت اور نیا جذبۂ اصلاح لے کر آتا ہے، کیا کوئی نیا بورڈ نئی کمیٹی بد اخلاقیوں کی روک تھام کرتی ہے، انسانوں کی بے لاگ خدمت کرتی ہے، ہم تو یہ جانتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی ذہن ایک ہی اصولِ زندگی اور ایک ہی جذبہ لے کر آتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ صورتحال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، زندگی کی خرابیاں اور سوسائٹی کے جھول جوں کے توں رہتے ہیں۔

زندگی کا نقشہ سرے سے غلط ہے

اس کے برخلاف پیغمبرؑ کہتے ہیں کہ سرے سے زندگی کا نقشہ ہی غلط ہے، اسے ادھیڑ کر پھر سے بناؤ، اس میں پھر سے رنگ بھرو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ایک شیروانی سلی سلائی لے لی وہ اس کے جسم پر چست نہیں ہوتی، وہ اس کو اِدھر اُدھر سے کترتا ہے، کھینچتا ہے، پیغمبر کہتے ہیں کہ

یہ بخیئے غلط لگ گئے ہیں، جب تک یہ بخیئے رہیں گے، اس میں جھول ہی جھول رہیں گے، اسے ادھیڑ کر پھر سے بناؤ۔

سیاسی رشوت

آج ساری دنیا نے انسان کو اپنی خواہشات میں آزاد مان لیا ہے، ان غلط خواہشات کے خلاف جذبہ پیدا کرنے کے بجائے آج ساری پارٹیاں اسے رشوت دے رہی ہیں، خواہشات کی رشوت، اخلاقی رشوت اور ایک دوسرے سے بڑھ کر کہہ رہی ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں نظامِ حکومت آگیا تو ہم تمھاری خواہشات کو پورا کریں گے، اور تم کو عیش و ترقی کا پورا پورا موقع دیں گے، اگر اپنی خواہشات کی تکمیل اور آزادی چاہتے ہو تو ہمیں ووٹ دو، آج ہر ایک یہ کہہ رہا ہے کہ ہم اقتدار پاکر تمھارے تعیشات میں اضافہ کریں گے تمھارا معیارِ زندگی اونچا کریں گے، گویا کہ انھوں نے مٹھائیاں دے کر بچوں کی عادت بگاڑ دی، انھوں نے ان کو مٹھائیوں پر لگا دیا، دنیا کے انسان بچہ ہیں، پارٹیاں اور حکومتیں انھیں خواہشات کی ہوا دے رہی ہیں، اور ان کی عادتیں بگاڑتی جا رہی ہیں، انسان کا حال یہ ہے کہ جتنا اسے دیئے جاؤ وہ اور مانگتا جاتا ہے، فلم آتے ہیں تو اس کی ہوس اور بڑھتی ہے، یہ اور زیادہ ہیجان (EXCITEMENT) چاہتا ہے، اور زیادہ عریاں تصویریں مانگتا ہے، یہ دنیا کے انسانی خواہشات پر لگام نہیں لگاتے بلکہ ان کی ہوس کے مطابق دیئے جاتے ہیں۔

پیغمبروں کا طریقہ

پیغمبروں کا یہ راستہ نہیں، وہ خواہشات میں اعتدال و توازن پیدا کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہر شخص کی خواہش پورا کرنے کی کوشش غیر فطری ہے، پیغمبر کہتے ہیں کہ انسانوں کا چٹوڑ پن خطرناک ہے، اس کو چھڑانا چاہیئے چاہے بچہ کا دل برا ہو، چاہے وہ کچھ دیر روئے اور مچلے اس کو برداشت کرنا چاہیئے اور صحیح راستہ پر لگانا چاہیئے، یہ غلط فلسفہ ہے کہ خواہشات کو بھڑک نہ لگایا جائے اور ان کو شہہ دی جاتی رہے، اور جب ان کا فساد ظاہر ہو جائے تو پھر حیرت سے دیکھا جائے اور شکایت کی جائے۔

بے لگام بازی

سیاسی پارٹیوں کا نظام غلط ہے کہ اس زندگی کے نظام کو قبول کر لیا جائے، منہ زور گھوڑا، بے لگام اور غلط گھوڑا انسانیت کی کھیتی کو روندتا چلا جا رہا ہے، آج تمام پارٹیاں، اس کا سائیس بننا چاہتی ہیں، منہ زور بے لگام گھوڑوں کی ریس ہے، کیا ان کے سامنے انسانی ضمیر کی کوئی قیمت ہے، انسانی ہمدردی کا کوئی جذبہ ہے، یورپ و امریکہ، ہمدردی اور مساوات کا نام لیتے ہیں، ان کی ہمدردی کے پیمانے ہم سب کو معلوم ہیں، بیچارے باہر سے ہمدردی کرنا چاہتے ہیں، اور اندر وہی ہوس کا بھوت ہے، ظلم کے وہاں بڑے عجیب و غریب طریقے ہیں۔

عہدہ کا اہل کون؟

ہم کہتے ہیں کہ زندگی کا راستہ منزل سے بہت دور جا پڑا، جب تک خدا کا یقین (BELIEF) نہ پیدا کیا جائے، سدھار نہیں ہو سکتا، اس کے بغیر ہم ظالم کو محتاط اور ہمدرد نہیں بنا سکتے ہیں اللہ ٹپ آپ کے سامنے نہیں آگیا ہیں مطالعہ کے بعد کہتا ہوں کہ جب تک آپ یقین نہ پیدا کریں انسانیت کے اصل ماڈل (MODEL) تک نہیں پہنچ سکتے اس کے اندر سے عزّت و عہدہ کی محبّت، دولت کی محبت نکال دیجئے اور ایثار و قربانی اور دوسروں کے لئے گھلنے کا جذبہ پیدا کیجئے، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ عہدہ اسے ملے گا جو اس کا خواہشمند نہ ہو یہ (QUALIFICATION) تھی، آج اس کے برخلاف بے حیائی سے خود اپنی قصیدہ خوانی کر کے حکومت بنائی جاتی ہے۔

صحابہ کرام کا کردار

صحابہ کرام اس سے بھاگتے تھے، حضرت عمرؓ معافی چاہتے ہیں کہ اس ذمہ داری کے بوجھ سے مجھے معاف رکھا جائے، انھیں مجبور کیا جاتا تھا کہ آپ دست بردار ہو گئے تو کون انتظام کرے گا، وہ جب تک کرتے تھے تو اسے بڑی ذمہ داری اور بوجھ سمجھتے تھے، اور جب سبکدوش ہوتے تو بڑا سکون RELIEF محسوس کرتے تھے، حضرت خالدؓ کو سپہ سالار اعظم COMMANDER-IN-CHIEF بنایا گیا تھا، سب طرف ان کی دھاک بیٹھی تھی، عین محاذ پر ایک معمولی سا پرچہ

مدینہ سے آتا ہے کہ خالد برطرف کئے جاتے ہیں، اور ان کی جگہ ابوعبیدہ مقرر کئے جاتے ہیں، تو ذرا بھی ملال نہیں ہوتا، بڑی فراخ دلی سے کہتے ہیں کہ اگر میں اس کام کو عبادت سمجھ کر کرتا تھا تو اب بھی انجام دوں گا، اور اگر عمرؓ کے لئے کرتا تھا تو کنارہ کش ہو جاؤں گا، پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ اسی ذوق و شوق سے اپنے کام میں مشغول رہے، اور کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

عزت کی ہوس اور دولت کا بھوت

آج سیاسی پارٹی سے کسی کو الگ کر دیا جاتا ہے تو پہلے نکلنے کا نام نہیں لیتا اڑا رہتا ہے، فتنہ مچاتا ہے، اور اگر الگ ہوتا ہے، تو دوسری سیاسی پارٹی بنا لیتا ہے، یہ کیوں! اس لئے کہ عزت کی ہوس، دولت کا شوق اور بڑائی کا خیال دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے، پس جب تک موجودہ زندگی کا سانچہ نہیں بدلتا، سدھار مشکل ہے، میں آپ کو صاف صاف زندگی کی حقیقتیں بتلا رہا ہوں، خدا کا خوف اور اس کی رضا کا شوق پیدا کیجئے، روحانی اخلاقی زندگی پیدا کیجئے، زندگی سے لطف اندوز ہونے کا شوق جو زندگی کا آئیڈیل بن گیا ہے اسے چھوڑیئے۔

ضرورت اور خواہش

انسانی ضروریات کی فہرست بہت لانبی نہیں فضولیات کی فہرست بہت لانبی ہے، سب نے اپنی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ زندگی کے تعیش کو مقصود

بنا لو، معدہ اور نفس کو معبود مان لو، خدا کو نہ مانو اس کی بالادستی کا انکار کرو، انسان کو ایک ترقی یافتہ جانور تسلیم کرو، اور اس کی زیادہ سے زیادہ خواہشات کو پورا کرو، یہ سب اسی کا فساد ہے، جب تک یہ بنیاد باقی ہے، ہزار کوششوں کے باوجود سدھارنا ممکن ہے کسی شہر اور ملک کی تو کیا ایک میونسپلٹی کے رقبہ کی اصلاح بھی نہیں ہوگی۔

غلط اجزاء سے صحیح مجموعہ کیسے بن سکتا ہے

آج انسانی افراد اور سوسائٹی کے اجزاء خراب اور ناقص ہیں، غلط بنیادوں پران کا اٹھان ہوا ہے، اور غلط طریقہ پران کی تربیت اور نشوونما ہوا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ آج سارے انسانی مجموعے، خراب، ناقص اور کمزور ہیں، جماعتیں افراد سے بنتی ہیں، جب تک افراد درست اور صالح نہیں ہوں گے جماعتیں اور جماعتی کام کیسے درست ہو سکتے ہیں، افراد کا سوال چھیڑا جائے تو لوگ چڑھتے ہیں، اور ناراض ہوتے ہیں اور اس مسئلہ کو ٹال دینا چاہتے ہیں، وہ اس خیال خام میں مبتلا ہیں کہ اجتماعی حالت میں یہ نقص خود بخود دور ہو جائے گا، عجب لطیفہ ہے کہ جب اینٹیں بھٹہ سے نکلیں تو کہنے والے نے کہا کہ یہ پیلا ہے، یہ کھنجر ہے، یہ اینٹیں اچھی نہیں، یہ عمارت کا بوجھ نہیں اٹھا سکیں گی آپ نے جواب دیا محل بن جانے دو وہ سب اینٹیں اچھی ہو جائیں گی، لیکن خراب اور ناقص اجزاء سے ایک اچھا مجموعہ کیسے تیار ہو سکتا ہے، بہت سے ممبروں سے ایک اچھی باڈی کیسے بن سکتی ہے، خراب تختوں سے ایک اچھا جہاز

کیسے بن سکتا ہے، ہم کہتے ہیں، یونٹ (UNITS) خراب ہیں، مسالہ (MATERIAL) خراب ہے، اس سے اچھی باڈی کیسے بنے گی، اس سے اچھی میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کیسے بنے گا آج ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے، تو کوئی نہیں دیکھتا اور نتیجہ کو دیکھ کر کوفت ہے کیا یہ ناسمجھی کی بات نہیں ہے۔ تعمیر تختے بناتے ہیں، یونٹ بناتے ہیں، اینٹیں بناتے ہیں، ان کی تعمیر پائیدار، صالح اور جاندار ہوتی ہے، وہاں دھوکہ نہیں ہوتا۔

آج تعلیم گاہوں میں بھی اس حقیقت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، یقین اور اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کہیں نہیں کی جا رہی ہے، افراد کی تربیت کا انتظام کہیں نہیں، ہر جگہ سے غیر تربیت یافتہ افراد کی کھیپ کی کھیپ نکل رہی ہے، آج طالب علم ہر کام کر سکتا ہے، اس لئے کہ اس کی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، میونسپلٹی میں کون لوگ ہیں، ڈسٹرکٹ بورڈ میں کون لوگ ہیں، سارے نظام پر اس طرح کے لوگ حاوی ہیں انھیں کے ہاتھ میں زندگی کی باگیں ہیں، آج اکثر انسان انسان نہیں، انسان نما ہیں۔

خوف خدا کی اہمیت

حقیقت ظاہر ہو کر رہتی ہے، چاہے اس پر کتنا ملمع چڑھا دو، گدھے نے شیر کی کھال پہن لی تھی لیکن جب خطرہ سامنے آیا تو ہیبت سے اپنی بولی بول دی، آج سب جگہ یہی ہو رہا ہے، اندر کی چیز باہر آ رہی ہے آپ میں سے بہت سے بھائی انتھک کوشش کر رہے ہیں، آپ میں سے بہت سے مخلص ہیں،

لیکن کیا کبھی آپ نے نیچے سے سدھار کی کوشش کی، لوگ پارٹی کے اقتدار کے پیچھے پڑے ہیں، لیکن کرنے کا کام یہ تھا کہ آدمیت کا احترام پیدا ہو، خدا کا خوف پیدا ہو۔

خدا کی بستی دکان نہیں ہے

خدا کی بستی کو دکان سمجھ لیا گیا، ہر ایک دوسرے سے گاہک سمجھ کر معاملہ کرتا ہے، یہ تاجرانہ ذہنیت تباہ کن ہے، آج سب طرف لینا ہی لینا عام ہے، کہیں استاد شاگردوں کی کشمکش، کہیں مزدوروں اور کارخانہ داروں میں چپقلش، یہ سب کیوں؟ یہ سب اسی تاجرانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے، پیغمبروں کا کہنا ہے کہ سب کے سب کا ایک دوسرے پر حق ہے، اور سب کے ذمہ فرائض ہیں فرائض ادا کرنے میں مستعد ہوں اور حقوق حاصل کرنے میں فراخ دل، ہم یہی کہتے ہیں کہ آپ لوگ بھی یہی کرنے لگیں تو فضا بدلے گی زندگی کا لطف آئے گا، آج لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے، ہر ایک کی نگاہ تجوری پر ہے، انسان کی مجبوری پر نہیں۔

ہمارا وجود ہر پارٹی سے زیادہ ضروری ہے

ہم اپنے پیغام کو ہر پارٹی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اور ہمارا وجود ہر پارٹی سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ ہمارا کام ہو گیا تو انسانیت کا مہکتا ہوا گلدستہ بنے گا، آج کانٹے پیدا ہو رہے ہیں، آج انسان عنقا ہے، ہم کہتے آئے ہیں کہ

انسانیت کی بہار لاؤ، انسانیت کو نکھارو، آج انسانیت کے درخت سے کانٹے اور کسیلے پھل پیدا ہو رہے ہیں، آپ انسانیت کے میٹھے پھل پیدا کیجئے، ہم آپ کے کاموں میں روڑے اٹکانے نہیں آئے، ہم یہ کہنے آئے ہیں کہ انسانیت کی خبر لیجئے، ہم اس بگڑی ہوئی دنیا کے خلاف خلش پیدا کرنے آئے ہیں، کاش یہ چبھن پیدا ہو، یہ پیغمبروں کا کام ہے، جسے ہم یاد دلانے آئے ہیں، کوئی دماغ تک رہ جاتا ہے، کوئی پیٹ تک پہنچ جاتا ہے، کوئی کپڑوں اور مکان میں اٹک کر رہ جاتا ہے لیکن مذہب خدا کے یقین اور محبت کے ساتھ دل میں اتر جاتا ہے، اور وہ آنکھوں کی کھٹک اور جلن دور کرتا ہے، آنکھوں کی سوئیاں نکالنا پیغمبروں ہی کا کام ہے، انھیں کی محنتوں سے دل کی پھانسیں نکلیں اور دلوں کو اطمینان ملا۔

تمھاری حیثیت ایجنٹ یا ملازم کی نہیں داعی اور رہبر کی ہے

ہم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم نے پیغمبروں کے کام اور پیام کی بڑی ناقدری کی، تم مجرم ہو، تم دراصل سرمایہ کو چھوڑ کر ذلیل سرمایہ داروں کے ایجنٹ بن گئے، تم نے بھی تاجرانہ ذہنیت اپنالی اور بیوپاری بن گئے، تمھاری حیثیت بیوپاری اور ملازم کی نہیں تھی، تم یہاں داعی کی حیثیت سے آئے تھے، تم نے داعیانہ حیثیت اور اپنے آنے کا مقصد کھو دیا، تم دعوت و محبت کے پیام کے ساتھ چلتے تو عزت سے چلتے اور کامیاب و بامراد چلتے رہتے، اب تمھاری فلاح اسی میں ہے کہ اب تم اپنی کھوئی ہوئی حیثیت اختیار کرو، دنیا کی

فلاح اس میں ہے کہ وہ پیغمبروں کے پیام کی قدر کرے، سیاسی پارٹیاں اور مختلف جماعتیں، قیادت کی جنگ اور غلبہ واقتدار کی کشمکش چھوڑ کر زندگی کے اس بگڑے ہوئے نقشہ کو بنانے کی کوشش کریں، اور اپنے اور اپنے متعلقین اور دوستوں کے بجائے ساری انسانیت کی فکر کریں کہ اس کے سدھار کے بغیر کسی کو چین اور امن حاصل نہیں ہو سکتا۔

انبیاء کا پیغام۔ قوموں کے نام

یہ مضمون اردو ہی میں لکھا گیا تھا، جو پندرہ روزہ "تعمیر" لکھنؤ میں ۱۹۴۲ء میں کئی قسطوں میں "خطرناک تکبیر" کے نام سے شائع ہوا تھا، جس کا عربی ترجمہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے قلم سے مجلہ المسلمون میں شائع ہوا، موضوع کی مناسبت سے اسے بھی کتاب میں شامل کیا گیا ہے

انبیاء کا پیغام — قوموں کے نام

خطرناک تکبّر

کہتے ہیں کہ ایک اونچے خاندان کا راجہ ایک مرتبہ نہاتے نہاتے ڈوبنے لگا، کسی کم ذات آدمی نے دیکھا تو لپک کر گیا اور اس کو سہارا دے کر کنارے لے آیا، راجہ کو جب ہوش آیا تو اس نے اپنے محسن کا نام پتہ پوچھا، جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی مدد کرنے والا ایک نیچی ذات کا آدمی ہے تو وہ آگ بگولا ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ جس بدذات نے اس کے جسم کو ہاتھ لگا کر ناپاک کیا ہے، اس کو سخت سزا دی جائے، چنانچہ اس شریف النفس انسان کو سزا دی گئی، اور لوگوں کو عبرت و نصیحت ہوئی کہ وہ آئندہ اس کی جرأت نہ کریں۔

کہانی یہیں ختم نہیں ہوئی، اس کے بعد ہوا یہ کہ راجہ کو دوبارہ یہ واقعہ پیش آیا اور اس کی جان پر بن آئی، پچھلا مجرم اب بھی دیکھ رہا تھا، اور بہت آسانی کے ساتھ راجہ کی مدد کر سکتا تھا، مگر اس کو اپنی گستاخی کی پوری سزا مل چکی تھی، اس نے دوبارہ راجہ کے جسم کو ناپاک کرنے کی غلطی نہیں کی

اور نتیجہ یہ ہوا کہ گستاخ اور بے رحم دریا نے اس عالی خاندان راجہ کو غرق کر دیا

یہ کہانی ہر جگہ دہرائی جارہی ہے

آپ نے شاید یہ کہانی پہلے بھی سنی ہو اور آپ کو اس میں بڑا مبالغہ معلوم ہوا ہو لیکن انسانی دماغ کے عجائبات سے یہ کچھ بعید نہیں، خاندانی غرور اور قومی تعصب نے ہزاروں خاندانوں اور سیکڑوں قوموں کو غرق کر کے رکھ دیا لاکھوں افراد اور سیکڑوں جماعتیں اسی غرور و تعصب میں ایسی اندھی ہوئیں کہ انھوں نے تباہی و بربادی کے راستہ کو ترجیح دی مگر کسی ایسے شخص کی رہنمائی گوارا نہیں کی جس کے متعلق روائتی یا ذہنی طور پر کمتری کا خیال دل میں بیٹھ گیا تھا، یا وہ قسمت سے ان کے ملک و قوم سے تعلق نہیں رکھتا تھا، اخلاقی اور دینی تاریخ میں آپ کو اس کی بکثرت مثالیں ملیں گی اس وقت کی ترقی یافتہ مہذب اور آفاقی ذہن رکھنے والی دنیا بھی اس کی نظیروں سے خالی نہیں، ڈوبنے والے مغرور راجہ کا قصہ جس کی عقل اور جس کے مجنونانہ غرور پر آپ کو سخت پیچ و تاب آرہا ہے، کوئی پراچین کہانی یا من گھڑت افسانہ نہیں، بلکہ انسان کی ایک تاریخی بوالعجبی کی سچی داستان ہے، جس کا ہیرو ایک راجہ قرار دے دیا گیا ہے، یہ دراصل ایک ہی راجہ کا قصہ نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں اور سیکڑوں قوموں کا تاریخی قصہ ہے جس میں ذرا مبالغہ اور بناوٹ نہیں۔

یونان کی گمراہی

یونان کا نام آپ نے سنا ہے؟ فلسفیوں حکیموں شاعروں اور ادیبوں کا ملک

یونان، افلاطون و ارسطو، بقراط و سقراط کا نام کون نہیں جانتا؟ کبھی تو ایسا شبہ ہونے لگتا ہے کہ وہاں صرف حکیم اور فلسفی ہی پیدا ہوتے تھے، اور ہر شخص ادیب و شاعر ہی تھا، اس ملک میں اللہ کا دیا سب کچھ موجود تھا فلسفہ حکمت ادب شاعری ریاضی و اقلیدس، مصوری، نقاشی اور سب فنون لطیفہ تھے، انسان اپنی ذہانت و ذوق سے جو کچھ پیدا کر سکتا ہے یونان اس کا مخزن تھا، اور اس میں وہ دنیا کا استاد تھا جس کی شاگردی پر ملکوں کو ابھی تک ناز ہے، یہ سب کچھ تھا، مگر کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں، جو انسان کی ذہانت و ذکاوت سے تعلق نہیں رکھتیں، وہ کیا ہیں؟ اس دنیا کا بھید کیسے بنی کس نے بنائی، کیوں بنائی کب تک رہے گی، بنانے والا اس کو کس طرح چلانا چاہتا ہے، اس کا قانون کیا ہے، اس زندگی کے بعد کوئی زندگی ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کے لئے کیا ہدایات ہیں، اچھا کیا ہے، برا کیا ہے، حلال کیا ہے حرام کیا ہے؟ یہ اور ایسے بہت سے سوالات جن کا جواب آدمی محض قیاس اور ذہانت سے نہیں دے سکتا، یونان نے اس بارے میں بھی شاعری سے کام لیا لیکن یہ شاعری کا میدان نہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے ہر قدم پر ٹھوکر کھائی اس نے خدا کی طرف وہ کمزوریاں منسوب کیں جن کو ایک شریف آدمی اپنے لئے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا اور ان کے بعد خدا کا دل و دماغ اور زندگی پر کوئی اثر باقی نہیں رہتا، عقول و افلاک کا ایک خیالی نسب نامہ تصنیف کیا جس کا نہ سر ہے نہ پیر اور نظام عالم کو اس سے مربوط کر دیا، یونان کے قدیم دیومالا (MYTHOLOGY) کو فلسفہ بنا دیا فرضی دیوتاؤں اور دیویوں کو علمی اور مذہبی لباس پہنا دیا۔

یونان کا انجام

نتیجہ یہ ہوا کہ یونان کی اخلاقی و مذہبی زندگی بالکل بے روح اور مردہ ہو کر

رہ گئے خدا کے خوف اور محبت سے دماغ عاری اور دل خالی ہوگئے، دیوتاؤں اور دیویوں کے عشق و محبت کے قصوں نے سارے ادب اور پورے مذہبی ماحول کو شہوانی بنا دیا نیکی و بدی کے معیار ٹوٹ گئے فلسفہ نے ہر گناہ ہر ناجائز فعل اور ہر ظلم کو دلائل مہیا کردیئے یونان کے بڑے بڑے فلسفیوں نے پیشۂ عصمت فروشی کی پرزور حمایت کی اور اس میں بڑے بڑے فوائد اور خوبیاں دکھائیں نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مردم خیز اور عجائب زار خطہ سخت اخلاقی ابتری اور بدنظمی کا شکار ہوا اور سیلاب بالآخر اس ملک کو اپنے پورے علمی و ادبی ذخیرہ کے ساتھ لے ڈوبا۔

نبوّت کی روشنی

ٹھیک جس وقت یونان اس اخلاقی بحران میں مبتلا تھا، اس کے پیچھے جنوب مشرق میں ان ممالک میں جو عقلی و علمی حیثیت سے یونان سے بہت پیچھے تھے، اللہ کے وہ بندے پیدا ہوئے جن کو پیغمبر کہتے ہیں، وہ یونانیوں کی طرح شاعر تھے نہ فلسفی نہ ریاضی و ہندسہ کے ماہر تھے، نہ فنون لطیفہ کے عالم لیکن وہ صاحب یقین اور صاحب ہدایت تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ذات صفات اس زندگی کے اسرار اور اس دنیا کے انجام کا یقینی اور عملی علم بخشا تھا۔

یونان کے پاس الفاظ تھے انبیاء کے پاس حقائق

یونان کے پاس اچھے الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، اور ان کے پاس اصل حقائق اور علم کا لبّ لباب تھا، یونان کے پاس علم کی الجھی ہوئی ڈور تھی جس کو وہ

صدیوں سے سلجھا رہا تھا لیکن وہ زیادہ الجھتی جارہی تھی اور ان کے پاس اس ڈور کا سرا تھا۔

انبیاء و فلاسفہ کا فرق

یونان حقیقت کے سمندر کے کنارے سیپیوں اور گھونگھوں سے کھیل رہا تھا، اور یہ اس سمندر کو پار کر چکے تھے، اس کی تہ میں اتر چکے تھے، اور سچے موتیوں سے دنیا کا دامن بھر رہے تھے، یونان کو سب کچھ معلوم تھا، مگر اپنی حقیقت ہی معلوم نہ تھی، یونان نے ساری دنیا کی تاریخ مرتب کر لی تھی، اور ساری زمین سے واقف ہوگیا تھا، مگر اس کو اتنی بڑی دنیا بنانے والے اور تنہا چلانے والے ہی کا علم نہ تھا، یونان کا فلسفہ اور علم الاخلاق اپنی روح کھو چکا تھا، اور ایک فرد میں بھی پاک بازی اور خدا ترسی پیدا کرنے سے عاجز تھا، شہوانیت، دماغی آوارگی اور اخلاقی بے قیدی اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی تھی، اس کے مقابلہ میں یہ اللہ کے بندے اخلاقی پارس تھے، جو ان سے چھو جاتا تھا، وہ بھی سونا بن جاتا تھا، گناہ اور بد اخلاقی کے رجحانات ختم ہو جاتے تھے، اور طاعت اور پاک بازی کے طاقتور محرکات پیدا ہو جاتے تھے، یونان کے فلسفی سب کچھ پڑھا لکھا کر ایک آدمی میں بھی راہ راست پر قائم رہنے اور نفس کی ترغیبات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں پیدا کر سکتے تھے، اور یہ پیغمبر ہزاروں انسانوں کو بے پڑھائے لکھائے حیوانیت کی نیچی سطح سے اٹھا کر انسانیت کی بلند ترین سطح پر پہنچا دیتے تھے، اور نفس و شیطان کی بڑی سے بڑی ترغیب پر فتح حاصل کرنے کی طاقت پیدا کر دیا کرتے تھے

علم کا غرور

ان پیغمبروں نے یونان کے سامنے بلا طلب بلا معاوضہ اپنی راہنمائی کی

پیش کش کی لیکن یونان نے ایک حقارت آمیز ہنسی سے اس کا جواب دیا اور کہا کہ ہمارے علم کی توہین ہے کہ ہم ان اُمّیوں (ناخواندہ اشخاص) کی راہنمائی قبول کریں جو ہمارے علوم و فنون میں طفلِ مکتب کی حیثیت بھی نہیں رکھتے، وہ کون سا علم ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے، اور جس میں ہمیں کسی دوسرے کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے؟ نتیجہ یہ ہوا کہ یونان کا وہی علم جس پر اس کو بڑا ناز تھا، اس کے گلے کی پھانسی بن گیا اس کے علم و تمدّن میں جس میں خداشناسی کی روح اور پیغمبروں کی ہدایت نہیں تھی، سمیّت پیدا ہو گئی، اور اس نے بالآخر اس کی پوری زندگی کو زہر بنا کر اور اس کے پورے جسم کو گھلا کر رکھ دیا قرآن مجید نے اس صورتِ حال کی پوری تصویر کھینچ دی ہے:

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ	جب ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلی
فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ	دلیلیں لے کر آئے تو وہ اپنی لیاقت
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ	علمی پر بڑے نازاں ہوئے اور
يَسْتَهْزِءُوْنَ۔	جس عذاب کی ہنسی اڑاتے تھے
(المؤمن۔۸۳)	وہ انھیں پر الٹ پڑا۔

روما کی داستانِ ہلاکت

یہی قصہ روما کا بھی ہوا جو یونان کا سیاسی اور علمی وارث تھا، اس نے زندگی کی تنظیم، دستور سازی، فنِ حرب اور ملک کے نظم و نسق میں یونان کو بھی مات کر دیا تین براعظم (یورپ، افریقہ و ایشیا) پر پھیلی ہوئی وسیع سلطنت اور اس کی دُور دراز نوآبادیوں کو اس نے اس طرح اپنی آہنی گرفت میں رکھا جیسے ایک خاندان فتوحات کی

کثرت سلطنت، آئین سازی کی قابلیت فنون لطیفہ کی سرپرستی نقاشی وسنگ تراشی اور فن تعمیر کی ترقی میں روما نے کمال پیدا کیا لیکن زندگی کا راز وہ کبھی معلوم نہ کرسکا اور حقیقت کے اصل سرچشمہ سے وہ کبھی سیراب نہیں ہوسکا، بت پرستی اور ستارہ پرستی کا اس کے یہاں کبھی دور دورہ رہا، صحیح اخلاقی قدروں سے اس کا دامن کبھی خالی اور بے خطا اور کامل رہنمائی سے وہ کبھی محروم رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کبھی سرتاپا روحانی و اخلاقی امراض کا شکار ہوگیا، فضول خرچی، تعیش، تفریحات، معاشی لوٹ کھسوٹ محاصل کی کثرت سے اس کی زندگی خود اس کے لئے عذاب بن گئی، ذوق فاسد اور ذہن کج ہو گئے یہاں تک کہ اس کو قیدیوں کی کپڑے اور تیل چھڑک کر اور آگ لگا کر دعوتوں کی روشنی کا انتظام کرنے میں بھی خوبیاں نظر آنے لگیں۔

وہی کہانی

اسی اخلاقی انحطاط کے دور میں روم کی مشرقی نوآبادیوں میں متعدد پیغمبر پیدا ہوئے، اور ان کی دعوت و نبوت کا آوازہ روما کے محلوں اور اس کے شہروں میں بھی پہونچا، لیکن امپیریلسٹ روما نے غلام قوموں کے ان مصلحین اور داعیوں کی آواز پر متوجہ ہونے کو اپنی ہتک سمجھا، رومی جو اپنے کو پیدائشی حکمراں سمجھتے تھے، ان محکوموں کو کہاں خاطر میں لاسکتے، اہل نخوت اور متکبرین کی ہمیشہ سے یہ دلیل رہی ہے کہ:۔

لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ (الاحقاف ۔ ۱۱)

اگر ان پیغمبروں کے دین میں کوئی خوبی ہوتی تو ہم سے پہلے یہ دولت کسی کو نہیں مل سکتی تھی۔

روم نے نبوت کی قدر نہ کی اور وہ بھی اپنی قومی عصبیت اور نسلی غرور کے ہاتھوں بد اخلاقی، بے نظمی اور ابتری کے سیلاب میں غرق ہو گیا:۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ (التغابن - ٦)

اس لئے کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلے کھلے معجزے لے کر آتے رہے اور یہ لوگ یہی کہتے رہے کہ کیا ہم جیسے بشر ہم کو راہ بتانے آئے ہیں انھوں نے رسولوں کو نہ مانا اور ان سے روگردانی کی اور خدا نے بھی ان کی کچھ پروا نہ کی اور اللہ بے نیاز اور ہر حال میں سزاوار حمد ہے۔

ایران، چین اور ہندوستان کی مذہبی کشمکش

چھٹی صدی مسیحی میں روم و ایران اور چین و ہندوستان دنیا کے متمدن ترین ملک تھے، لیکن انسانیت کے درخت کی ہر شاخ میں گھن لگ چکا تھا، نبوت کی مشعل سے جو چراغ جلتے چلے آرہے تھے، اب ان میں تیل نہیں رہا تھا اور وہ بجھتے جا رہے تھے

قیاسات کی حکمرانی

خدا کے صحیح علم اور یقین کی دولت سے علم کا سارا ذخیرہ خالی نظر آرہا تھا، علم و مذہب میں قیاسات کی حکمرانی تھی اور اخلاق و معاشرت و سیاست میں خواہشات کی

اور ساری دنیا ان کی غلام بن چکی تھی، سلطانی بھی عیاری تھی اور درویشی بھی عیاری، کلیسا اور آتش کدے مندر اور سٹوپ سب انسانوں کی راہنمائی سے دست کش ہو چکے تھے۔

مسیحی روحانیت کا فقدان

عیسائیت، مجوسیت، ہندومت، بدھ مت سب کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ ان تلوں میں اب تیل نہیں، وہ اب صحیح روحانیت، خدا ترسی، فرض شناسی اور پاک بازی پیدا کرنے سے قاصر ہیں، اور ان میں وہ واضح تعلیمات اور زندگی کے وہ روشن اور مفصل احکام نہیں ہیں، جن پر شخصی یا قومی زندگی کی تعمیر کی جاسکے۔

ظلم و اسراف

ایران و روم میں نئے نئے ٹیکسوں اور نت نئے جرمانوں کی بھرمار نے غریب طبقہ اور کاشتکاروں کو ایسا بدحواس اور مصروف بنا رکھا تھا کہ زندگی کی کسی بلند تر حقیقت اور کسی اعلیٰ مقصد کی طرف ان کو دھیان دینے کا ہوش بھی نہ تھا اور تیلی کے بیل کی طرح دم مارنے کی مہلت نہ تھی، دولت کی ہوس، بادشاہوں اور امرا کی تقالی اور سوسائٹی کے مطالبات نے متوسط طبقہ کو بھی خود فراموش بنا رکھا تھا، زندگی اتنی گراں اور معیار زندگی اتنا بلند ہو گیا تھا کہ ایک ایک ایرانی سردار ایک ایک لاکھ اور پچاس پچاس ہزار کی ٹوپی پہنتا تھا، اور ایک ایک لاکھ کا پٹکا باندھتا تھا اور جو ایسا نہ کرتا تھا، وہ ذلیل سمجھا جاتا کھانوں میں، لباس میں، عمارتوں میں

تکلفات اور گھریلو زندگی کے تعیّشات آخری درجہ کو پہونچ گئے تھے۔

ہندوستان کا حال

ہندوستان میں ذات پات کی تمیز اور انسانوں کی پیدائشی تقسیم میں سخت غلو اور ناانصافی تھی، جنسی خواہش و میلان نے ملک کے سارے ادب، مذہبی ذخیرہ اور عبادت گاہوں تک کو اپنے رنگ میں رنگ ڈالا تھا، دولت پرستی، طاقت پرستی قوم کے خمیر میں داخل ہو چکی تھی، مذہب چند رسوم اور تفریحات اور چند فلسفیانہ اصطلاحات و موشگافیوں کا نام رہ گیا تھا، غرض دنیا کی یہ متمدن قومیں اب تمدن ہی کے پیدا کئے ہوئے مرض دق میں مبتلا تھیں، اور اللہ کے دین کو ذہنی طور پر قبول کرنے، اس کے لئے قربانیاں کرنے اور اس کو اپنی زندگی کا پیغام اور مقصد بنانے کی اہلیت سے محروم ہو چکی تھیں۔

دینِ رحمت کا پیغامِ ہدایت

حکمت الٰہی نے دنیا کو دوبارہ زندگی کے لئے اس قوم کا انتخاب کیا جو اگرچہ بُت پرستی اور اخلاقی عیوب میں دنیا کی کسی قوم سے پیچھے نہ تھی، مگر تمدن اور دولت و سلطنت کی لائی ہوئی خرابیوں اور سیاسی و روحانی غلامی کی پیدا کی ہوئی بیماریوں سے محفوظ تھی اس میں اس نے اس فرد کا انتخاب کیا جو اپنی نسبی شرافت فطری صلاحیتوں اس کارِ عظیم کی لیاقت، بلند ہمتی اور عالی حوصلگی میں دنیا میں فرد تھا۔

اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ (الانعام - ١٢٥)

اللہ تعالیٰ کو بہتر اندازہ ہے کہ وہ اپنے پیغام کے لئے کس کو انتخاب کرے۔

اس کے عزم و استقلال، اس کی جدوجہد پوری انسانیت کی تاریخ میں اس کی بے نظیر کامیابی اس کے اخلاق کی بلندی اس کی زندگی کی پاکیزگی نے بھی ثابت کر دیا کہ نبوّت کے منصب کے لئے پوری نوع انسانی میں اس سے زیادہ کوئی اہل و موزوں نہ تھا، انسانیت سن بلوغ کو پہونچ چکی تھی، دنیا کا مستقبل بتلا رہا تھا کہ وہ اب ملکوں و قوموں کی حدود میں محدود نہیں رہے گی، اس لئے اللہ نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا واضح مفصل مرتب مُعیّن اور مُختتم دین دیا جو بیک وقت ساری دنیا کو اور دنیا کی ساری قوموں کو اور قوموں کے تمام طبقات کو اور طبقات کے تمام افراد کو اور افراد کے تمام حالات کو وسیع ہے جس سے بیک وقت حاکم اور محکوم، امیر اور غریب، مرد عورت، تندرست و بیمار، جوان اور بوڑھے، کم استعداد و بلند استعداد، متمدن و غیر متمدن، عالم و جاہل کو پوری راہنمائی حاصل ہو سکتی ہے، اور اپنے اپنے دائرہ میں اپنی استعدادوں کو نشو و نما دینے اور اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور انسانیت کے حدود کے اندر انتہائی روحانی ترقی کرنے کے پورے پورے مواقع حاصل ہیں جس میں قوموں کی کوئی تقسیم، ملکوں کی کوئی تفریق اور زمانوں کی کوئی تحدید نہیں، وہ عقائد اور الٰہیات سے لے کر انسانی زندگی کے روزمرّہ کے واقعات اور انسانی ضروریات تک کے لئے یکساں طور پر واضح احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات رکھتا ہے جس میں نہ کسی قیاس و تجربہ کی ضرورت ہے نہ بار بار قانون سازی کی، نہ وقتاً فوقتاً ترمیم و تنسیخ کی، وہ صرف عقائد نہیں بلکہ اخلاقی ضوابط اور اجتماعی معاشرتی و سیاسی قوانین پر بھی مشتمل ہے، وہ صرف کاغذی تعلیم نہیں بلکہ اپنے ساتھ اپنی ایک کامیاب ترین عملی مثال (پیغمبر کی سیرت) رکھتا ہے جس سے انسانی زندگی کی تمام منزلوں اور ان کے حالات و اختلافات کے لئے پوری رہنمائی اور ہمت افزائی حاصل ہوتی ہے۔

درس مساوات

یہ دین انسانیت کی مشترک دولت تھی جس میں ہر قوم و ملک اور ہر انسان کا مساوی حصہ تھا، اور ترقی و سربلندی کے یکساں امکانات و مواقع، نہ اس پر کسی قوم کی اجارہ داری تھی، نہ کسی نسل و خاندان کی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا جَعَلْنٰكُمْ
شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا
اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔
(الحجرات-۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت
سے پیدا کیا اور تم کو قوموں اور برادریوں
میں اس لئے تقسیم کر دیا کہ تمھیں آپس میں
پہچاننے میں آسانی ہو ورنہ اصل بات
یہ ہے کہ تم میں سب سے معزز وہ ہے
جو زیادہ خدا ترس اور پاکباز ہو۔

حضورؐ نے فرمایا :۔

كلكم من بني آدم وآدم من
تراب لا فضل لعربي على عجمي
ولا لعجمي على عربي
الا بالتقوى۔

اے انسانو! تم سب آدم کی اولاد ہو،
اور آدم کی حقیقت مٹی ہے کسی عرب کو
غیر عرب پر اور کسی غیر عرب کو عرب پر
سوائے خدا ترسی اور پاک بازی کے
کسی اور بنا پر بزرگی حاصل نہیں۔

بلالؓ از حبش و صہیبؓ از روم

پہلے دور میں ہم کو ایران کے سلمانؓ، روم کے صہیبؓ اور حبش کے بلالؓ اور

ان کے سیکڑوں ہم قوم قریشیوں اور انصاریوں کے دوش بدوش نظر آتے ہیں، اور ہم عمرؓ جیسے عظیم الشان خلیفہ کو بلالؓ کو سیدنا (ہمارے سردار) کہتے ہوئے سنتے ہیں، بعد میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ تمام بڑے بڑے اسلامی شہروں اور عالم اسلام کے مرکزوں میں نومسلم اور عجمی علم دین کی مسندوں پر فائز ہیں، اور پشتینی مسلمانوں اور عربی النسل سرداروں کی دینی راہنمائی کر رہے ہیں، اور سب سر ان کے فتویٰ اور احکام کے سامنے جھکے ہوئے ہیں، ایک اموی خلیفہ (عبد الملک) نے ایک سیاح سے تمام بڑے اسلامی شہروں میں سے ایک ایک کا نام لے کر پوچھا کہ وہاں کا دینی سردار اور علمی اعتبار سے مرکزی شخصیت کون ہے تو اس کو یہ سن کر حیرت ہوئی کہ آٹھ دس مرکزی مقامات میں سے صرف ایک جگہ ایک عربی النسل عالم شہر کا مقتدیٰ اور سب سے بڑا عالم ہے، ورنہ ہر جگہ کسی غیر عرب عالم کو جو خود قید ہو کر یا اس کا قریبی مورث قید ہو کر آیا تھا، علمی و دینی سرداری حاصل ہے، حج کے بین الاقوامی اجتماع میں جس میں تمام عالم اسلام آیا ہوا ہوتا ہے، عربوں کے خاص قومی مرکز (مکہ) میں اس کا اعلان ہوتا تھا کہ اس موقع پر عطاء بن ابی رباح حبشی (جو ایک آزاد شدہ غلام تھے) کے سوا کوئی فتویٰ نہ دے، بعد میں بھی یہ حقیقت اسلام کی پوری تاریخ میں روشن نظر آتی ہے۔

کھلے ہوئے مواقع

اسلام نے ہر قوم و نسل کے افراد کو دینی و مادی ترقی کے مواقع پورے پورے عطا کئے اور ان کو مسلمانوں کی صف میں وہ بڑے سے بڑا امتیاز حاصل کرنے کا موقع دیا جو کسی ہاشمی یا قریشی کے لئے ممکن تھا۔

اہلِ عجم کی خدمات

چار مشہور مجتہدوں میں سے جن کی تحقیق اور فتوے پر عالم اسلام صدیوں سے عمل کر رہا ہے ایک امام (جن کے پیرو شاید تعداد کے لحاظ سے دنیائے اسلام میں سب سے زائد ہیں) امام ابو حنیفہؒ ہیں، جو ایرانی النسل تھے، محدثین میں وہ بزرگ جن کی کتاب سب سے زیادہ صحیح مانی جاتی ہے اور سب سے زیادہ مقبول ہے، امام بخاری ہیں، جن کے بزرگوں میں ہم کو تیسرا ہی نام عجمی اور غیر اسلامی ملتا ہے، بعد کے دور میں مسلمانوں نے ایک ایرانی عالم شیخ عبد الملک الجوینی کو امام الحرمین اور ایک دوسرے ایرانی عالم امام غزالی کو حجۃ الاسلام اور سیکڑوں عجمی علماء کو شیخ الاسلام کا لقب عطا کیا جو علمی و دینی اعتبار سے آخری اعزاز تھا، مادی و سیاسی حیثیت سے نیشاپور کے سلجوقی، شام کے زنگی مصر کے کرد، اور ایشیائے کوچک کے عثمانی سلاطین، ہندوستان کا خاندانِ غلامان اور مصر کے ملوک (غلام) اس حقیقت کا عالمگیر ثبوت ہیں، ہمیں ان غیر عرب عجمی نژاد اور نو مسلم خاندانوں میں بعض ایسے نیک نفس فرشتہ سیرت نفوس ملتے ہیں، جن کی عزت اسلامی تاریخ میں خلفاء راشدین کے بعد کسی سے کم نہیں، نور الدین زنگی سلطان صلاح الدین ایوبی، ملک شاہ سلجوقی، شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود غیاث الدین بلبن محمود شاہ گجراتی مظفر حلیم گجراتی محمود گاوان دکنی یہ سب غیر عرب نو مسلم خاندانوں کے افراد ہیں، جن کی تعریف میں مسلمان مؤرخین رطب اللسان ہیں۔

اسلام کی فتوحات

ایرانیوں اور رومیوں نے ایک مدت تک اسلام کو ایک حریف قوم کے دین اور

ایک رقیب کی حیثیت سے دیکھا لیکن اس کے بعد جلد انھوں نے اس کے لئے اپنے دل کے دروازہ کھول دیئے اور اس خوان کرم سے فیض اٹھایا جو سارے روئے زمین پر بچھا ہوا تھا، انھوں نے اس کو قبول کرکے بڑی بڑی روحانی اخلاقی اور سیاسی ترقیاں حاصل کیں اور وہ غلامی کی ان بیڑیوں اور مذاہب کی ان جکڑبندیوں سے آزاد ہو گئے جن میں ان کے مذہبی پیشواؤں اور ظالم حکمرانوں نے اور صدیوں کے بگڑے ہوئے مذہبی نظام نے ان کو جکڑ رکھا تھا اور اس طرح ان کو زندہ درگور بنا رکھا تھا، قرآن مجید میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جو صفت بیان کی گئی تھی، اور آپ کے متعلق جو پیشین گوئی کی گئی تھی، وہ ان مظلوم قوموں کے بارے میں بالکل صحیح نکلی۔

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ	وہ ان کو اچھے کام کرنے کو کہتے اور برے
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ	کام سے ان منع کرتے ہیں، اور پاک
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ	چیزوں کو ان کے لئے حلال اور ناپاک
عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي	چیزوں کو ان کے لئے حرام، اور وہ
كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط	بوجھ جو ان کے سر پر لدے ہوئے ہیں
(الاعراف ۔ ۱۵۷)	اور وہ پھندے جو ان پر پڑے
	ہوئے ہیں، ان سے دور کرتے ہیں۔

انھوں نے پہلی بار زندگی کا مزہ چکھا اور اطمینان کی سانس لی اور ایک طرف انھوں نے وہ سب ترقیاں حاصل کیں جو نبوت کے علاوہ کسی انسان کے لئے ممکن ہیں، دوسری طرف انھوں نے بڑی بڑی سلطنتوں کی بنیاد رکھی اور دنیا کے تہذیبی و علمی ذخیرہ میں قیمتی اضافے کئے۔

یورپ کی محرومی نصیبی

اسلام اسپین کے راستے سے یورپ میں داخل ہوا اور تقریباً آٹھ صدی تک اس سرزمین میں مہمان رہا، اندلسی عربوں میں بہت سی کمزوریاں تھیں، وہ یقیناً اسلام کے ایسے مخلص اور موثر داعی نہ تھے، جیسے صحابہ کرام، لیکن یورپ کو ان کے ذریعہ اس دین پر غور کرنے، اس کی کتاب سیکھنے، اس کی شریعت سمجھنے اور اس کی خصوصیات معلوم کرنے کا بہت طویل موقعہ ملا لیکن یورپ نے اپنی صلیبی عصبیت اور اقلیمی تکبر کی بنا پر جو اس وقت تک یورپ کا طرۂ امتیاز ہے اور جو اس کو متکبر یونان اور مغرور روم سے ترکہ میں ملا ہے، اس زریں موقعہ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور وہ اندلسی مسلمانوں کو ہمیشہ رقابت اور عداوت کی نظر سے دیکھتا رہا، اس نے اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر ان کی طبی مہارت اور فلسفہ سے استفادہ کیا لیکن ان کی اصل دولت کی قدر نہیں کی یہاں تک کہ پندرہویں صدی عیسوی میں اس نے اپنے مذہبی جنون میں مجنون ہو کر ایک ہذیانی کیفیت کے ساتھ اندلسی مسلمانوں کو اس زمین سے افریقہ کی طرف دھکیل دیا اور پھر انتہائی بربریت اور وحشت کے ساتھ ان کے مذہبی اور تہذیبی نشانات کو جو خود یورپ کا ایک قیمتی ذخیرہ تھا مٹا دیا اور اسلام کو اس ملک سے جہاں وہ فرشتۂ رحمت بن کر آیا تھا جلاوطن کر دیا۔

یورپ کی نشأت ثانیہ غلط بنیاد پر تھی

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کی نشأت ثانیہ (RENAISSANCE) کئی سو برس کے لئے پیچھے ہٹ گئی اور وہ جب شروع بھی ہوئی تو ایسے غلط اور اندھا دھند طریقہ پر کہ اس نے

خود یورپ کو بالآخر اس ساری دنیا کو جس کی قیادت یورپ کے ہاتھ میں ہے لادینیت اخلاقی بے نظمی، مادہ پرستی اور حیوانی طرز زندگی پر ڈال دیا، اس کے پاس مذہب کی صحیح روشنی اور زندگی کے متعلق صحیح رہنمائی بالکل نہیں تھی کچھ توہمات، کچھ تعصبات اور کچھ مسیحی عالموں کی تاویلات و تفسیرات تھیں اور ان کا تصنیف کیا ہوا مقدس مسیحی جغرافیہ اور کلیسائی تاریخ عالم تھی، جو قدم قدم پر تحقیق و مطالعہ سے ٹکراتی تھی خدا کی ذات و صفات کا صحیح علم، وحی کی صداقت و عظمت، رسالت و نبوت کی ضرورت اور اس کے برکات، زندگی کے متعلق صحیح نقطۂ نظر، انسان کا صحیح مرکز و مقام، یہ وہ اصولی باتیں تھیں، جن پر ایک صالح تمدن کی بنیاد ہے لیکن یورپ کا ذہن ان سے بالکل ناآشنا تھا، اور مسخ شدہ عیسائیت اس کی اس بارہ میں مدد کرنے سے بالکل قاصر تھی، اس کو تو صرف کلیسا کے روحانی و مادّی اقتدار کی حفاظت سے دلچسپی تھی، اور کتب مقدسہ کے الحاقی حصوں کے جغرافی، تاریخی و طبیعی معلومات بلکہ مشہور عام روایات کی صداقت پر اصرار تھا، ایک صحیح دین کو سمجھنے کا یورپ کو موقعہ ملا تھا اگر وہ اس کو سمجھ لیتا تو مذہب و عقل اور دین و طبیعات کی کشیدگی پیش ہی نہ آتی اور یورپ کے مذہب کے خلاف بغاوت کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی، مگر اس نے اپنی نادانی سے اس موقعہ کو ضائع کر دیا تھا، اب اس کے سامنے مذہب کی شکل میں صرف عیسائیت تھی، اور وہ مذاہب کی نہایت غلط نمائندہ! اس میں نہ ابدیت تھی، نہ علم انسانی کا لوچ اور ترقی کی صلاحیت، وہ مفسرین تورات کے اجتہادات و تاویلات کا مجموعہ تھا، جو ان کے آزاد مطالعہ، علمی تجربہ، اور تحقیق و اکتشاف میں بار بار حارج ہوتا تھا، اس کے اجارہ دار بار بار راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے تھے، بلکہ ان عالموں کو جو اپنے مطالعہ و تحقیق میں کلیسا کے بعض مسلمات

سے مطمئن نہیں تھے، آفتاب کی گردش کو تسلیم نہیں کرتے تھے، زمین کو مسطح نہیں مانتے تھے، عوالم کے تعدد کے قائل تھے، عبرتناک سزائیں دیتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ نے مذہب کو جواب دے دیا اور مطالعہ و تحقیق کا سفر مذہب کی رہنمائی سے آزاد و بے نیاز ہو کر بلکہ اس سے بیزار ہو کر شروع کیا۔

مذہب سے آزادی کے مضر اثرات

اس غلط نقطۂ آغاز کا ایک نقصان تو یہ ہوا کہ یورپ کا علمی سفر بے مقصد و بے منزل بن کر رہ گیا، وہ آفاق کی بھول بھلیاں میں گم ہو گیا اور خالق آفاق تک نہیں پہنچ سکا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے معلومات و انکشافات کا ایک ذخیرہ جمع کر لیا، مگر ان میں باہم ربط، مرکزیت اور زندگی کی روح پیدا نہیں کر سکا، اور نہ ان کو انسانیت کی فلاح میں لگا سکا، دوسرا نقصان یہ ہوا کہ وہ مذہب کی رہنمائی اور اس کی تربیت سے محروم ہو کر، ضمیر، اخلاقی احساس اور ضبط نفس کی دولت سے بھی محروم رہ گیا، وہ معلومات میں ترقی اور طبیعیات کے دائرہ میں فتوحات پر فتوحات حاصل کرتا گیا مگر اخلاقی حیثیت سے آدمیت کے مقام سے گرتا چلا گیا یہاں تک کہ وہ بالآخر ایسی منزل پر پہنچ گیا کہ اس کا دماغ حکیموں اور فلسفیوں کا، اس کی قوت دیوزادوں اور جنات کی سی لیکن اس کی طبیعت بچوں کی اور اس کے رجحانات شیاطین کے سے ہیں، اس کے قدموں پر وسائل کا ڈھیر لگ گیا اور ان وسائل نے اس کے لئے ہوا، پانی، بھاپ، بجلی اور حرارت و قوت کو مسخر کر دیا، لیکن صحیح مقاصد اور خیر کے رجحان کی دولت سے جو ہمیشہ ایک صحیح دین اور اخلاقی تربیت ہی کا نتیجہ ہے وہ محروم ہے، نتیجہ یہ ہے کہ یہ وسائل یا تو حقیر مقاصد میں ضائع ہو رہے ہیں، جو انسانیت کے لئے سود مند نہیں، یا انسان کی بربادی

اور تمدن کی تباہی کا ذریعہ بن رہے ہیں، خود غرضی کا شیطان پورے یورپ پر مسلط ہے قوموں کے ہاتھوں سے قوموں کو، طبقوں کے ہاتھوں سے طبقوں کو اور افراد کے ہاتھوں سے افراد کو بلکہ اپنے ہاتھوں سے اپنے کو قتل کر رہا ہے، اور اس پر بھی راضی نہیں بلکہ ایک وسیع تر اور عالمگیر پیمانہ پر دنیا کی بربادی کی تیاری کر رہا ہے، جب انسان کو ذراتی طاقت اور اس جیسی سائنٹفک حولوں سے نہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر اماں ملے گی نہ کسی غار کے اندر۔

یورپ کا ذخیرۂ علم اس کے لئے بیکار ہے

مذہب کی رہنمائی اور تربیت کے بغیر یورپ کا یہ سارا ذخیرۂ علم و اکتشاف اس کے لئے بیکار بلکہ وبالِ جان ثابت ہو رہا ہے، وہ بہت سی غیر ضروری معلومات اور تفصیلات رکھتا ہے مگر انسانی زندگی کے بنیادی اصولوں سے جاہل اور ان پر عمل کرنے سے غافل ہے، اس نے کائنات کی بہت سی دور کی گتھیاں سلجھائی ہیں مگر اپنی زندگی کی گتھی میں خود ایسا الجھا ہے کہ اس کا نہ سر چھوٹتا ہے نہ پاؤں، عجب تماشہ ہے ؎

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

نجات کا راستہ

اب یورپ کے لئے نجات کا راستہ صرف یہ ہے کہ وہ جرأت سے کام لے کر اخلاقی اور روحانی حیثیت سے اپنے دیوالیہ ہونے کا اعتراف کرے اور صحیح مذہب اور پیغمبر کی

محفوظ تعلیم سے رجوع کرے، جو اس کی زندگی کا صحیح مقصد اور اس کی روح عطا کرے، خدا کی ذات و صفات و افعال کا صحیح، معتبر، مستند اور واضح علم بخشے پھر اس کا یقین اور اس کی محبت اور خوف سے اس کے دل کو لبریز کر دے اور اس کے دماغ کی روشنی گل کئے بغیر اس کے دل کو روشن اور گرم کر دے، اس کی زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی کا زندہ اور مستحکم یقین پیدا کر دے جہاں انسان کو اپنے نیک و بد اور ظاہر و پوشیدہ اعمال کا نتیجہ نظر آئے گا، اس دن اس کے حساب کتاب کا خوف اور اپنی ذمہ داری اور مسئولیت کا ایسا احساس پیدا کرے جو افراد اور قوموں کے معاملات میں شخصی اور اجتماعی مسائل میں اس کو یکساں، محتاط اور پابند اخلاق رکھ سکے ایک ایسے انسان کامل کی زندگی پیش کر سکے جس سے انسانی زندگی کے ہر مرحلہ اور تمدن کے ہر دور کے لئے رہنمائی اور عملی مثال حاصل ہو اور جو پوری تفصیل اور دیانت داری کے ساتھ تاریخ میں محفوظ ہو۔

اس کے ساتھ ایک بڑی تعداد میں ایسے انسانوں کی تاریخ موجود ہے جنھوں نے ایک متمدن زمانہ میں شہرت اور زندگی کے بڑے بڑے مرکزوں میں حکومت کی ذمہ داری کے ساتھ اس دین کی تعلیمات پر کامیابی کے ساتھ عمل کیا اور دولت و قوت کی بڑی سے بڑی آزمائش کے موقعہ پر وہ اخلاق اور اصول کی نازک پٹری سے ہٹنے نہیں پائے وہ اس کو اخلاقی ضوابط، معاشرتی قوانین اور سیاسی آئین بھی بخشے اور زندگی کے وہ حدود متعین کر دے جن سے تجاوز، بربادی اور خودکشی کے مرادف ہے، ان کے اندر طبیعت کی فطری جولانی اور زندہ دلی کے لئے پوری گنجائش ہو، اس میں نہ عیسائیت کی رہبانیت ہو نہ موجودہ یورپ کی دنیا پرستی، نہ ہندوستان کا جوگ ہو نہ ایران کی عیش پرستی، نہ رواقی فلسفیوں کی خشک مزاجی اور رومی سپاہیوں کی کرختگی ہو نہ یونانیوں کی

رنگین مزاجی اور آوارگی، نہ خلاف فطرت دائمی عدم تشدد ہو نہ نفسانی تشدد، اس میں قوم و وطن پرستی کے بجائے انسان دوستی، عالمگیر خدمت خلق کا جذبہ ہو، خود غرضی کے بجائے بے غرضی اور ایثار کی تعلیم و تربیت ہو، بوالہوسی کے بجائے اعتدال و احتیاط کی تعلیم، وہ تعلیم جو یورپ کو اس کے تمام امراض و مصائب سے نجات دے سکے اس کے مسائل کا حل ہو، اس کے ہر زخم کے لئے اس کے پاس مرہم ہو، اس کے ہر سوال کا اس کے پاس جواب ہو جو یورپ کو سیکڑوں برس پیچھے لے جانے کے بجائے یہیں سے اس کا راستہ بدل دے اور اس کے علم و تمدن، صنعت و اکتشافات کے پورے ذخیرہ کو اس کے لئے اور انسانیت کے لئے کارآمد بنا دے اور یورپ کو مردم آزار اور آدم آزار بننے کے بجائے تمام دنیا کے لئے فرشتۂ رحمت اور امن و سلامتی کا داعی بنا دے۔

سرچشمۂ ہدایت

یہ تعلیم ان تمام شرائط و صفات کے ساتھ جو اوپر بیان کی گئیں دنیا میں کم و کاست ہے، اللہ کی کتاب قرآن مجید وحی کا وہ تنہا مجموعہ ہے، جو اس وقت پوری اصلیت کے ساتھ انسانوں کے ہاتھ میں ہے اور جو حقیقت کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے جس کی طاقت اب بھی پوری دنیا کے دلوں کو گرما سکتی ہے جس کے مضامین و علوم کی وسعت اب بھی وقت کی ضروریات و مسائل پر حاوی ہے، جو انتہائی بلند اور خدائی علم کے شایان شان ہونے کے باوجود عام فہم اور ہر وقت قابل عمل ہے، جس کی زبان ابھی دنیا میں زندہ ہے، اور جس کے الفاظ کی تشریح کے لئے کسی قیاسی اور تاریخی اکتشاف کی ضرورت نہیں۔

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دنیا کے پیغمبروں میں تنہا وہ پیغمبر ہیں جو ہر زمانہ

اور ہر طرح کے حالات میں تقلید و اقتدار کے لائق ہیں، جن کی زندگی میں ایک غریب اور ایک دولت مند کو، ایک کمزور اور ایک طاقتور کو ایک تاجر اور ایک حاکم کو ایک بھائی ایک باپ، ایک بیٹے اور ایک شوہر کو ایک معاہدہ کرنے والے اور ایک برسر جنگ آدمی کو ایک مسرور اور ایک غمگین کو، ایک بیمار اور ایک تندرست کو ایک جوان اور ایک بوڑھے کو مستقل ہدایات اور عملی نمونے حاصل ہو سکتے ہیں، پھر پیغمبروں کی صف میں تنہا وہ پیغمبر ہیں، جن کی پوری زندگی کے واقعات خلوت و جلوت کے حالات اور روحانی، جسمانی، اخلاقی اور مزاجی کیفیات پوری تفصیل اور پوری تاریخی صحت کے ساتھ محفوظ ہیں، اور ہر شخص ان سے استفادہ کر سکتا ہے، پھر ان کے ساتھ ان کے ساتھیوں کی بھی تاریخ محفوظ ہے جنھوں نے زندگی کے مختلف حالات، حکومت، دولت و قوت کے امتحانات اور ان کی تعلیمات کو کامیاب ثابت کیا۔

پھر ان کی شریعت میں وہ اصول و کلیات اور زندگی کے وہ حدود و قوانین ہیں، جن پر ہر بدلے ہوئے زمانہ اور دنیا کے ہر مقام میں صالح تمدن فاضل معاشرہ اور عادل سیاست کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے اور انسانی صلاحیتوں کو نشو و نما اور ترقی حاصل کرنے کا پورا موقع مل سکتا ہے، اور جن کی روشنی میں یہ پوری دنیا اپنے کمال مطلوب کی طرف مجموعی حرکت کر سکتی ہے۔

صرف تکبر مانع ہے

زندگی کا یہ سرچشمہ یورپ کے علم اور اس کی دسترس سے باہر ہے لیکن اس کی طرف توجہ اپنی ناکامیابی کے اعتراف پر موقوف ہے، اور یہی مرحلہ بہت زیادہ دشوار ہے، جو لوگ اس کے ذہن اس کے اجتماعیات اور سیاست پر قابض ہیں وہ پوری پوری قوموں کو تباہ کر سکتے ہیں، پورے پورے ملکوں کو خاک کا ڈھیر بنتا ہوا دیکھ سکتے ہیں، سارے

عالم کو روحانی کوفت، قلبی بے اطمینانی، جسمانی تکلیف اور معاشی پریشانیوں میں گھرا ہوا دیکھ سکتے ہیں، وہ اپنے مذہب کو اپنے خنجر سے خودکشی کرتے ہوئے اور انسانیت کو سسکتا ہوا دیکھ سکتے ہیں، مگر اپنی غلطی کا اعتراف اور اپنے دیوالیہ ہونے کا اقرار نہیں کر سکتے، وہ نسخہ پر نسخہ آزما کر مرض کے بجائے مریض کو ختم کئے دے رہے ہیں، مگر طبیب حاذق کی طرح اس سے رجوع کرنے سے عار محسوس کرتے ہیں، ان کے حلق سے نہیں اترتا کہ دنیا کو ہر علم و فن کی کتابوں سے بھر دینے اور کائنات کے اسرار فاش کر دینے کے بعد وہ صحراء عرب کے ایک امی کی طرف کس طرح رجوع کریں جس کو کاغذ پر لکھنے کی صنعت اور لکھے ہوئے حروف کو پڑھنے کا فن نہیں آتا تھا، اس انانیت و تکبر کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانوں کی نسلیں کی نسلیں موت کے گھاٹ اتر تی جارہی ہیں، اور ایک ہولناک عالم گیر مصیبت پوری انسانیت کی طرف منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی ہے۔

ایشیائی ممالک

ایشیاء کے جو ممالک یورپ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، ان کا مستقبل یورپ سے زیادہ تاریک ہے، ان کے پاس اس وقت مذہب کی وہ اخلاقی اور روحانی طاقت نہیں ہے جو خواہشات کے منہ زور گھوڑے کے منہ میں لگام دے سکے اور اس کے نفس کی ترغیبات کا مقابلہ کر سکے، پیغمبرانہ تعلیم کا جو ذخیرہ ان ملکوں میں تھا اور جس نے اپنے زمانے میں بڑا کام کیا تھا اور انسانوں کے دل و دماغ اور اخلاق پر بڑا اثر ڈالا تھا، وہ ہزاروں برس گذر جانے اور لوگوں کی بے احتیاطی سے اپنی طاقت کھو چکا اور اس کو ان ملکوں کے فلسفے، روایات اور عالموں کی بحثوں اور موشگافیوں نے اس قابل نہیں رکھا کہ وہ

زندگی کا رُخ موڑ سکے اور صحیح روحانیت اور اخلاقی طاقت پیدا کر سکے دوسری طرف انھیں یورپ کا سیاسی شعور اور شہریت کا احساس بھی نہیں جو ان کی زندگی میں نظم و یکجہتی پیدا کرے اور ان کو ادنیٰ درجہ کی بداخلاقیوں اور بے نظمیوں سے بلند رکھے غلامی نے ان میں بیسوں اخلاقی اور اجتماعی عیوب پیدا کر دیئے ہیں، اور سوسائٹی کو اخلاقی اعتبار سے بہت کمزور اور کھوکھلا کر دیا ہے، ادھر دنیا کے سیاسی حالات کے نتیجہ میں اخلاقی تربیت، ذہنی انقلاب اور سیرت کی تعمیر سے پہلے ہی ان پر آزاد اور وسیع حکومتوں کی ذمہ داری پڑ گئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں اخلاقی عیوب ابھر کر سطح پر آ گئے اور جو خرابیاں چھوٹے پیمانہ پر تھیں بڑے پیمانہ پر ظاہر ہونے لگیں، چور بازاری، منافع خوری، اعزہ نوازی، رشوت ستانی، غبن، خیانت، بیجا پاسداری، تنگ نظری، جلد سے جلد اور زیادہ سے زیادہ دولت مند بننے کی ہوس اور اس ضمن میں ہر طرح کے جرائم کا ارتکاب زندگی کے نمایاں پہلو ہیں جنھوں نے صدہا قسم کی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔

اصل مرض

لیکن یہ مستقل امراض نہیں بلکہ ایک مرض کی علامتیں ہیں، اور وہ مرض زندگی کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اور پرستش ہے، جب افراد یا قوموں کو یہ مرض لگ جاتا ہے تو سلطنتیں برباد ہو جاتی ہیں، قومیں غلام بن جاتی ہیں، بھائی بھائی کا گلا کاٹتا ہے، باپ بیٹے کا پیٹ کاٹ کر اپنی دوزخ بھرتا ہے، ماں بچے کو اپنی خواہش کے لئے بیچ ڈالتی ہے، ملکوں کو سستے داموں میں فروخت کر دیا جاتا ہے، اس مرض کا علاج آسان نہیں، انتظامات، نئے نئے قوانین، کڑی نگرانی، سخت سزا کوئی چیز اس سلسلہ میں

کارگر نہیں، ماہرین تعلیم بھی اس مطلب کے لئے کچھ زیادہ موزوں نہیں، وہ صرف اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ذرا مہذب طریقے اختیار کرتے ہیں، لیکن ذہنیت اور اخلاق میں گہری تبدیلی ان میں سے کسی چیز سے پیدا نہیں ہوتی۔

علاج صرف ایک ہے

اس کا علاج ایک اور صرف ایک ہے، اور وہ ہے خدا کا خوف اور آخرت کی زندگی کا یقین، یہ خوف اور یقین دنیا کے قدیم سے قدیم فلسفہ، بہتر سے بہتر شاعری اور موثر سے موثر نتائج پیدا نہیں کر سکتی، یہ دولت دنیا کو ہمیشہ پیغمبروں نے عطا کی ہے اور اب بھی انھیں کے خزانہ سے مل سکتی ہے، دنیا کی کان میں ہر قیمت کا ہیرا اور اس کے بازار میں ہر مطلب کا سودا ہے، لیکن ایمان و یقین اور اس کے نتائج صرف پیغمبروں کا فیض ہیں، ہر ملک میں بڑے اونچے اونچے فلسفے، بڑی اعلیٰ اخلاقی تعلیم، زندگی کے بڑے کامیاب گر، شرافت و مردانگی کی بڑی موثر مثالیں، ایثار و قربانی اور وفاداری کی بڑی شاندار روایات ہیں، تاریخی جلسوں اور بین الاقوامی مجلسوں میں ان کا تذکرہ کرنے اور ان پر فخر کرنے میں کوئی حرج نہیں، ان کی حفاظت ایک قومی سرمایہ کی حفاظت ہے، اور حکومتوں کی فرض شناسی ہے کہ وہ انھیں ضائع ہونے سے بچائیں، ادیبوں، شاعروں، مصنفوں اور مورخین کے لئے یہ بڑا قیمتی ذخیرہ ہے، جس سے ان کو ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے۔

پیغمبرانہ طاقت

لیکن زندگی کے بھاری بھرکم گاڑی کے پہیہ کو گھمانے کے لئے اور اس کو

اخلاق واصول کی نازک پٹری پر چلانے کے لئے علم وحکمت کے نازک اشارات اور درویشوں کی پھول سی باتیں، میٹھے بول اور فلسفہ کی گہرائیاں کافی نہیں اس کے لئے اس پیغمبر کی طاقت درکار ہے، جس نے آج سے ۱۳-۱۴ سو برس پہلے انسانیت کی گاڑی جو صدیوں سے دلدل میں پھنسی ہوئی تھی نکالا تھا، اور پوری طاقت سے منزل مقصود کے راستہ پر چلایا تھا، یہ طاقت اس کے زندہ دین اس کی زندہ کتاب اور اس کی محفوظ شریعت میں اب بھی موجود ہے، اور دنیا کی مدد کرنے کے لئے ہر وقت تیار۔

ایشیائی ممالک کی خوش قسمتی

یہ دولت وطاقت یورپ کے مقابلہ میں ان ایشیائی ممالک سے زیادہ قریب ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا ان کے لئے یورپ سے زیادہ آسان بھی ہے، اللہ کی نعمت میں ان کا ویسا ہی حصہ ہے، جیسا عربوں، وسط ایشیا کی قوموں اور سلجوقیوں اور عثمانیوں کا تھا، اور زمانہ حال کے مسلمانوں کا ہے، اس کے قبول کرنے میں نہ کسی قوم کا احسان لینا پڑتا ہے، اور نہ کسی کے سامنے شرمندگی کا احساس ستاتا ہے، اس پر کسی نسل کی اجارہ داری اور کسی قوم کی ایجنسی نہیں ہے، ہر قوم براہ راست اس کو اپنا سکتی ہے اور دنیا کی امامت پر فائز ہو سکتی ہے۔

بے تعصبی اور فراخ دلی کی ضرورت

ایک محبوب مریض کے لئے اس کے تیماردار جو دوڑ دھوپ کرتے ہیں، اور اس کے علاج کے سلسلہ میں جس بے تعصبی، فراخ دلی اور وسعت نظر سے کام لیتے ہیں، ہر طریقۂ علاج کو اپناتے ہیں، قومیت، نام ونسب کوئی چیز ان کے راستہ میں حائل نہیں ہوتی کم سے کم

اتنی ہی دوڑ دھوپ، بے تعصبی اور فراخ دلی سے ان لوگوں کو بھی کام لینا چاہیے جو پوری پوری قوموں کے تیماردار اور پورے پورے ملک کی کشتی کے ملاح ہیں، ایک قوم کا حادثہ ایک مریض کے حادثہ سے زیادہ سخت ہے، اور اس کے حقوق اپنے قائدوں اور رہنماؤں پر اس سے کم نہیں ہیں، جتنے ایک مریض کے اپنے تیمارداروں اور عزیزوں پر ہیں، ان کے لئے ان کا سمندر سے موتی نکال کر اور آسمان سے تارے توڑ کر لانا کوئی بڑی بات نہیں، لیکن ان کو اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں صرف بے تعصبی اور فراخ دلی کی ضرورت ہے۔

ندائے غیب

قرآن مجید نے چھٹی صدی عیسوی کی معاصر قوموں کو جس طرح خطاب کر کے کہا تھا، آج بیسویں صدی کی تمام قوموں اور انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝
(المائدہ-۱۵-۱۶)

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کھلی ہوئی کتاب آچکی جو لوگ خدائی رضامندی کے طلبگار ہیں، ان کو اللہ قرآن کے ذریعہ سلامتی کے راستے دکھاتا ہے، اور اپنے فضل سے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے، اور ان کو راہ راست دکھاتا ہے۔

مظلوم انسانیت

یہ مضمون اصلاً اردو میں لکھا گیا تھا جو "تعمیر" لکھنؤ میں سنہ ۴۹ء میں شائع ہوا تھا بعد میں اس کا عربی ترجمہ مولانا محمد رابع ندوی کے قلم سے رسالہ (الثقافۃ، مصر) میں شائع ہوا۔

موضوع کی مناسبت سے اصل مضمون شامل کتاب کیا جا رہا ہے۔

مظلوم انسانیت

آنکھوں کی سوئیاں

ہندوستان کی کہانیاں اپنے اندر بڑی بڑی حقیقتیں رکھتی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کے حکیموں نے زندگی کے بڑے بڑے فلسفوں کے عام فہم اور دلچسپ ترجمے کر دیئے ہیں، یا خشک حقیقتوں کو چلتی پھرتی زندگی میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے، ہم ان چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی مدد سے زندگی کے بہت سے حقائق کو ذہن کی گرفت میں لا سکتے ہیں۔

بچپن میں جو کہانیاں ہم نے سنی تھیں، اور دماغ کی سلوٹوں میں کہیں چھپی ہوئی رہ گئیں، ان میں سے کوئی ایسی کہانی بھی تھی جس میں کسی مظلوم عورت کی داستان درد بیان کی گئی تھی، جس کے سارے جسم میں سوئیاں چبھی ہوئی تھیں، اس کی سوکن سارے دن اس کی سوئیاں نکالتی تھی، لیکن آنکھوں کی سوئیاں قصداً چھوڑ دیتی تھی، اور رات ہو جاتی تھی، دوسرے دن پھر نئی سوئیاں چبھ جاتی تھیں، اور پھر وہ سوئیاں نکالتی تھی لیکن آنکھوں کی سوئیاں چھوڑ دیتی تھی، ہم کو کہانی کے صرف اتنے ہی حصہ سے غرض ہے۔

آپ غور کریں گے تو مظلوم انسانیت کے ساتھ زمانۂ دراز سے یہی معاملہ درپیش ہے، اس کا سارا جسم سوئیوں سے چھلنی ہو رہا ہے، جسم کے ہر حصہ میں ظالم سوئیاں چبھ رہی ہیں کچھ ہمدرد ہاتھ اس کی یہ سوئیاں نکالنے کے لئے بڑھتے ہیں، لیکن ہر مرتبہ آنکھوں کی سوئیاں چھوڑ دیتے ہیں، اور اس کی نجات کا کام ناتمام رہ جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے روز وہ اسی طرح مجروح اور مبتلا نظر آتی ہے، اور از سر نو محنت کرنا پڑتی ہے۔

انسانیت کی سوئیاں

انسانیت ایک مکمل انسانی جسم اور وجود کی نمائندہ ہے، وہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی جامع ہے اس کے ساتھ جسم بھی ہے، پیٹ بھی، دل بھی ہے، دماغ بھی، روح بھی ہے، ان تمام حصوں کے ساتھ کچھ مصائب و آلام بھی ہیں، یہ اس کے جسم کی سوئیاں ہیں، جو اس کو زار و نزار کئے ہوئے ہیں۔

بھوک اور فاقہ، اچھی اور صحیح غذا کا نہ ملنا یہ پیٹ کی سوئیاں ہیں، یقیناً ان سے انسانیت کو تکلیف اور دکھ پہونچتا ہے، عالم انسانیت کی یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے، اور زندگی کا بڑا افسوسناک پہلو ہے کہ قدرت کی فیاضیوں اور غذائی سامان کی پوری فراوانی کے باوجود انسانوں کے ناجائز تصرف یا کسی سلطنت کے جابرانہ طرز عمل سے انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو پیٹ بھر کر روٹی میسر نہ ہو، اور وہ اپنے فطری حق اور ضروری سامان زندگی سے محروم رہے، اس پر غم و غصہ، اضطراب و احتجاج، اس صورت حال کے خلاف جد و جہد ایک قدرتی امر اور صحیح انسانی احساس ہے، جس پر تعجب یا ملامت کا کوئی موقع نہیں۔

انسان جسم رکھتا ہے، اور جسم کو ٹھنڈک اور گرمی کا احساس دیا گیا ہے اور لباس کی طلب بخشی گئی ہے، اس طلب کو پورا کرنے کے لئے زمین پر پورے انصاف اور ضرورت کے مطابق لباس پیدا کرنے والی چیزیں اور لباس تیار کرنے والے ہاتھ پیدا کئے گئے ہیں پھر بڑی ناانصافی ہے کہ چند آدمیوں کے زائد لباس استعمال کرنے یا بکسوں میں بند کر کے رکھنے یا بے جان دیواروں کو جاندار انسانوں کے کام آنے والا کپڑا اڑھانے کی وجہ سے انسان سردی سے ٹھٹھر کر مر جائیں یا ان کو ستر پوشی کے لئے بھی کپڑا نہ ملے۔

انسان دل رکھتا ہے، اس کی کچھ جائز خواہشات ہیں ان کا نہ پورا ہونا بڑی زیادتی اور ظلم ہے، وہ دماغ رکھتا ہے، اس کا علم سے محروم اور دماغی ترقی اور صحیح قوتِ فکر سے دور رہنا ناانصافی اور نظامِ زندگی کا نقص ہے، اور اس نقص کو دور کرنا ایک حساس انسان اور ایک صحیح الاحساس جماعت کا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے۔

انسانی تہذیب و تمدن کو پھلنے پھولنے اور انسانوں کی روحانی، ذہنی اور جسمانی طاقتوں کو متوازن نشوونما حاصل کرنے کے بہترین مواقع جب حاصل ہوتے ہیں جب ان کے راستہ میں کوئی جابر قوت حائل نہ ہو، عموماً دیکھا گیا ہے کہ غیر ملکی حکومت وسائل زندگی پر قبضہ کر لیتی ہے، اور ان کی تقسیم کا کام اپنے غیر ہمدرد اور ناانصاف ہاتھوں میں لے لیتی ہے، اس کے اقتدار میں محکوم قوم کے جائز جذبات بھی افسردہ اور اس کی ذہانت کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں، اور وہ اپنے وطن میں جیل کے قیدیوں کی طرح زندگی گذارتی ہے، اس لئے غلامی بھی انسانیت کے لئے ایک بڑی مصیبت اور بلائے جان ہے، اور اس کا دور کرنا زندگی کے حقیقی لطف سے متمتع ہونے کے لئے شرط ہے۔

اندرونی اضطراب و کشمکش

اس لئے بلاشبہ فاقہ کشی، عریانی، بے قیدی، جہالت اور محکومی وہ سوئیاں ہیں جو انسانیت کے جسم کو بے قرار رکھتی ہیں، ان کا دور کرنا ایک بڑی انسانی خدمت ہے لیکن کیا اس دکھی انسانیت کے سارے دکھ اور روگ یہی ہیں اور یہی اس کے جسم کی سوئیاں ہیں، ان سوئیوں کے نکلتے ہی اس کو دل کا سکون جسم کا آرام اور سکھ کی نیند نصیب ہو جائے گی؟ اور اس کی آنکھ کی کھٹک اور دل کی خلش دور ہو جائے گی، ہم دیکھتے ہیں کہ انسانیت کی مصیبت اسی پر ختم نہیں ہوتی کہ ہر شخص کو پیٹ بھر کر روٹی، ضرورت بھر کا کپڑا، جائز خواہشات کی تکمیل کا سامان اور تعلیم کے مواقع حاصل ہو جائیں، اس کے جسم میں کچھ اور بھی زہر کی بجھی سوئیاں ہیں، جو اس کو اندر اندر گھلاتی رہتی ہیں، اور ایسی سوسائٹی جس کو زندگی میں اپنی منہ مانگی مراد مل چکی ہو، ان زہر کی بجھی ہوئی سوئیوں کی وجہ سے ہر وقت کراہتی تڑپتی اور اندر اندر سے گھلتی رہتی ہے۔

حرص و طمع

انسان اس پر بس نہیں کرتا کہ اس کو پیٹ بھر کھانا اور اپنی اور اپنے بچوں اور متعلقین کی ضرورت کا کپڑا اور سامانِ زندگی حاصل ہو گیا ہے، اس کے اندر اس فطری پیٹ کے علاوہ ایک اور مصنوعی پیٹ پیدا ہو جاتا ہے وہ حرص و ہوس کا پیٹ ہے جو جہنم کی طرح "ھل من مزید" (کچھ اور ہے) ہی پکارتا رہتا ہے، اس کو روپیہ پیسے صرف اسی لئے نہیں کہ وہ ضروریاتِ زندگی کے حصول کا ایک ذریعہ ہے بلکہ بغیر کسی مقصد کے ذاتی

محبت وعشق ہوجاتا ہے، اور اس کو کوئی بڑی سے بڑی مقدار تسکین نہیں دے سکتی، دولت کے اسی فدائی عشق کی وجہ سے وہ ہر مجرمانہ فعل کا بے تکلف ارتکاب کرتا ہے، رشوت ستانی، چوربازاری، نفع اندوزی اسی ذہنیت اور مزاج کے ادنیٰ کرشمہ ہیں۔

بدنظمیوں کے حقیقی اسباب

اگر دنیا کی اخلاقی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے اور تعصبات سے الگ ہو کر بدنظمیوں، بے عنوانیوں اور شہری زندگی کے مشکلات کے حقیقی اسباب تلاش کئے جائیں تو ان کی تہ میں جائز انسانی خواہشات اور حقیقی ضرورت کا ہاتھ کم ملے گا، ان کی تہ میں عموماً ناجائز خواہشات اور فرضی ضروریات نکلیں گی، انھیں ناجائز خواہشات اور فرضی ضروریات نے ہر زمانہ میں شہری زندگی میں نئی نئی الجھنیں اور ہر نظام حکومت کے لئے نئے نئے مشکلات پیدا کئے ہیں، انھیں فرضی ضروریات نے لوگوں کو مظالم، بددیانتی، غبن، استحصال بالجبر، رشوت خوری، سٹہ بازی، ذخیرہ اندوزی، فریب ہی پر آمادہ کیا اور ان کے اثر سے پورے پورے ملک اور بڑی بڑی حکومتیں "اندھیر نگری چوپٹ راج" بن کر رہ گئیں۔

آج بھی اگر موجودہ مشکلات اور شکایات کی تحقیق کی جائے گی تو صاف نظر آئے گا کہ موجودہ پریشانی اور بے اطمینانی کا سبب یہ نہیں ہے کہ ملک کے لوگوں کی بڑی تعداد یا اکثریت کو ضروریات زندگی میسر نہیں اور اس کی جائز خواہشات پوری نہیں ہوتیں اور اس ملک میں بھوکوں اور ننگوں کی زیادتی ہے، انصاف سے اگر دیکھا جائے تو ان بھوکوں اور ننگوں نے کسی کی عافیت تنگ نہیں کی ہے، عافیت ان لوگوں نے تنگ کی ہے جن کے پیٹ بھرے ہوئے ہیں لیکن ان کا دل دولت سے کبھی نہیں بھرتا، حقیقی ضروریات کا نام بدنام ہے،

ان کی فہرست کچھ طویل نہیں، ساری خرابی فرضی ضروریات نے پیدا کی ہے جن کی فہرست ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے، اور کبھی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ پورے محلہ اور کبھی پورے شہر کی دولت ایک فرد کے لئے کافی نہیں ہوتی۔

سکون کا فقدان اور اس کے اسباب

آج یہ ہو شتر یا گرانی، اشیاء کی نایابی اور افراط زر کیوں ہے، کیا اس لئے کہ اہل ملک کی اکثریت بھوکی اور ننگی ہے؟ ظاہر ہے کہ صرف اس لئے کہ دولت کی ہوس بڑھ گئی ہے، زیادہ اور جلد سے جلد دولتمند بننے کا شوق جنون کی حد تک پہنچ گیا ہے، قناعت زندگی سے مفقود ہو چکی ہے، فخر، ریاکاری، جاہ طلبی، نمائش، شہرت کے خمیر میں داخل ہو چکی ہے۔

زندگی کا عذاب

آج جس چیز نے زندگی کو عذاب اور دنیا کو دارالعذاب بنا رکھا ہے، اور جس سے ہر موڑ پر سابقہ ہے وہ بڑھی ہوئی رشوت ستانی، چور بازاری اور ظالمانہ نفع خوری ہے، لیکن کیا ان جرائم کا ارتکاب بھوک، فاقہ کشی اور برہنگی کی مجبوری سے کیا جاتا ہے، یہ تو اسی طبقہ کے حرکات ہیں جس کو اپنی خوراک سے زیادہ غلہ، اپنے حصہ سے زائد کپڑا اور اپنی ضرورت سے فاضل سامانِ زندگی حاصل ہے، ہزاروں مجرمین میں ایک بھی نان شبینہ کا محتاج اور سردی سے ٹھٹھرنے والا انسان نہیں ملے گا، یہ متوسط اور دولتمند طبقہ کے اعمال ہیں، جس کے پاس ضروریاتِ زندگی میں سے کوئی چیز کم اور ارتکاب جرم کے لئے کوئی مجبوری نہیں ہے۔

حقیقت میں انسانوں کی فطری اور واجبی ضروریات کا معاملہ کچھ مشکل نہیں، یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک ملک میں ہر شخص کو پیٹ بھر کر کھانا، ضرورت کا کپڑا اور سامانِ زندگی میسر ہو جائے لیکن کیا دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی حکومت اور بہتر سے بہتر نظام کسی مختصر سے مختصر آبادی کے لئے بھی اس کی فرضی ضروریات مہیا کر سکتا ہے؟ اور کسی ایک انسان کے بھی مصنوعی پیٹ کو بھر سکتا ہے، جس کی جھوٹی بھوک (اشتہاءِ کاذب) سارے انسانوں کا رزق کھا کر بھی نہیں مٹتی؟ پھر جب سوال حقیقی ضروریات کا نہیں بلکہ فرضی ضروریات کا ہے، اور مرض اشتہاءِ صادق نہیں بلکہ اشتہاءِ کاذب ہے تو کوئی ایسا معاشی فلسفہ یا اقتصادی نظام جو سوسائٹی کے ضمیر کو نہیں بدلتا جو صرف انسانوں کے پیٹ بھرنے اور ان کا تن ڈھکنے کی ذمہ داری لیتا ہے، اور جو مادی احساس میں اعتدال پیدا کرنے کے بجائے اشتعال پیدا کرتا ہے، کیا کسی سوسائٹی کو بھی اندرونی طور پر مطمئن کر سکتا ہے؟ اور زندگی کو موجودہ مشکلات سے نجات دے سکتا ہے؟

زندگی کی پیچیدگیاں اور ان کے اسباب

غور سے دیکھا جائے تو رشوت ستانی، چور بازاری، حد سے زیادہ نفع خوری اور اخلاقی جرائم اصل پیچیدگیاں نہیں ہیں، اصل پیچیدگی وہ ذہنیت اور مزاج ہے، جو ان بداخلاقیوں اور بے اصولیوں پر آمادہ کرتا ہے، جب تک اس مزاج میں تبدیلی نہ ہو ان خرابیوں کا مستقل سدِ باب نہیں ہو سکتا اگر ایک دروازہ بند کیا جائے گا تو دس دروازے کھل جائیں گے، انسانی ذہن اپنے مقاصد کے حصول کے لئے بہت سے چور دروازے رکھتا ہے، اگر اس میں کوئی گہری تبدیلی نہ ہو تو اس کا

راستہ روک کر کوئی عاجز نہیں کرسکتا، اس کو اپنی مطلب برآری کے لئے بہت سی تدبیریں اور حیلے آتے ہیں، وہ ان سے اپنا مطلب نکال لے گا۔

موجودہ زندگی کی اصل خرابی یہ ہے کہ پوری سوسائٹی کا ضمیر خود غرض اور مطلب پرست بن گیا ہے، اس کا ایک فرد اپنی غرض کے لئے بے تکلف بڑی سے بڑی بے اصولی کا ارتکاب کرلیتا ہے اگر وہ کسی شعبہ کا امین بنایا جاتا ہے تو اس کو خیانت میں باک نہیں، اگر کسی قومی ادارہ کا رکن منتخب ہوتا ہے تو اس کو اپنے حقیر فائدے کے لئے بڑے سے بڑے قومی وجماعتی فوائد کو پامال کرنے اور دوسروں کا گھر اجاڑ کر اپنا گھر آباد کرنے میں عذر نہیں، اگر وہ ماتحت ہے تو کام چور، سست کار اور احساسِ فرض سے عاری ہے، وہ اپنے کسی متوقع فائدہ یا کسی ذاتی رنجش کی بنا پر ایک گھنٹہ کے کام میں بآسانی ایک مہینہ لگا سکتا ہے، اور آسان سے آسان معاملہ کو برسوں الجھا سکتا ہے، اور اس طرح سے اپنے ذاتی فوائد کے لئے نظامِ حکومت کو ناکام یا بدنام کرسکتا ہے اگر وہ صاحبِ اختیار ہے تو اعزہ نوازی، احباب پروری، بیجا پاسداری اور شخصی یا خاندانی فوائد کی بنا پر صریح بے اصولی کا ارتکاب کرکے ملک و قوم کو نقصان پہونچاتا ہے، اگر تاجر ہے تو دولت میں غیر ضروری اضافہ کرنے کے لئے چوربازاری اور ناجائز نفع خوری کرکے لاکھوں غریبوں کو پیٹ کی مار مارتا ہے، اور وہ دانہ دانہ کو ترساتا ہے، اگر وہ روپیہ کا کاروبار کرتا ہے تو سود خواری اور مہاجنی کے ذریعے صدہا غریبوں کا بال بال قرض میں جکڑ دیتا ہے، اور ان کو پیسہ پیسہ کا محتاج بنا دیتا ہے۔

خود غرضی کا ناسور

افراد سے بڑھ کر جماعتوں اور پوری پوری قوموں پر خود مطلبی اور خود غرضی

کا شیطان مسلط ہو گیا ہے، سیاسی جماعتیں، جماعتی خود غرضی اور خود بینی میں مبتلا ہیں، یورپ اور امریکہ کی جمہوریتوں پر قومی خود غرضی کا بھوت سوار ہے، جس کے پاؤں کے نیچے چھوٹی اور کمزور قومیں سبزہ کی طرح پامال ہوتی رہتی ہیں، اس قومی خود غرضی نے ساری دنیا کو تجارت کی منڈی یا لوہار کی بھٹی بنا رکھا ہے، اور ساری زمین کو ایک وسیع میدان جنگ میں تبدیل کر دیا ہے، اسی قومی خود غرضی کی خاطر بڑی سے بڑی بے اصولی اور بے آئینی روا ہے، اس کے ادنیٰ اشارے پر لاکھوں بے گناہ انسانوں کو بیدریغ موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، ایک قوم پر دوسری قوم کو مسلط کر دیا جاتا ہے، بھیڑ بکریوں کی طرح ایک قوم کو دوسری قوم کے ہاتھ بیچ ڈالا جاتا ہے، متحد ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں، یورپ کی اسی قومی خود غرضی نے پہلے عربوں کو لوگوں کے خلاف ابھارا اور کل عرب سلطنت کا خواب دکھایا پھر اسی خود غرضی نے شام جیسے چھوٹے ملک میں چار مستقل حکومتیں قائم کیں، پھر اسی نے یہودیوں کو وطن الیہود کا سبز باغ دکھایا، آج بھی فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے، اور اس کی گتھی جس طرح الجھتی جا رہی ہے، وہ محض امریکہ، برطانیہ اور روس کی قومی خود غرضی کا نتیجہ ہے، ہندوستان میں سو برس جو کچھ ہوتا رہا ہے، اور پھر آخر میں جس طرح اس امن پسند ملک کو قتل گاہ بنا کر چھوڑا گیا ہے، وہ یا تو برطانیہ کی براہ راست قومی خود غرضی کا کرشمہ ہے یا اس کی پیدا کی ہوئی اس بدترین قومی خود غرضی کا جس کا زہر یہاں کی آبادی کے جسم میں سو برس تک سرایت کرتا رہا ہے، مغربی تہذیب اور مغربی سیاست کی لائی ہوئی اس قومی خود غرضی نے ۱۹۴۷ء میں

یہاں کے لوگوں کو اتنا اندھا اور دیوانہ بنا دیا کہ ان سے وہ غیر انسانی افعال صادر ہوئے جن کی نسبت سے چوپایوں اور درندوں کو بھی شرم آئے گی، اور آدم خور وحشیوں کی گردن شرم سے جھک جائے گی اور زمانۂ آئندہ کا مورخ ان واقعات کی تصدیق میں سخت پس وپیش کرے گا۔

خود غرضی کے نتائج

پھر اس خود غرضی نے ساری دنیا میں اور ملک کے تمام طبقوں میں ایک مخصوص مزاج پیدا کر دیا ہے، جس کا خاصہ ہے کہ انسان اپنے حقوق کے مطالبہ میں بڑا مستعد ہے، اور فرائض وحقوق کے ادا کرنے میں سخت کوتاہ اور حیلہ جو، اس ذہنیت اور سیرت نے ساری دنیا میں انفرادی، جماعتی اور طبقاتی کشمکش برپا کر دی ہے، ہر شخص اپنا حق مانگتا ہے، اور دوسرے کا حق ادا کرنے سے گریز کرتا ہے، اگر دنیا پر نظر ڈالی جائے تو ساری دنیا حقوق طلبوں کی ایک آبادی نظر آئے گی جس میں حق طلبی کا نعرہ تو ہر زبان پر ہے، لیکن ادائے فرض کا احساس کسی دل میں نہیں، جس آبادی میں ہر شخص حق طلب ہو، لیکن فرض شناس کوئی نہ ہو، وہاں کی زندگی کی الجھنوں اور دقتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور وہاں کی کشمکش کو کوئی انسانی تدبیر یا تنظیم دور نہیں کر سکتی۔

ہم اس خود غرضی پر خواہ کتنے ہی چیں بجبیں ہوں اور اس سے ہمیں خود اپنی روزمرہ کی زندگی میں خواہ کتنی مشکلات پیش آئیں وہ ہے بالکل ایک قدرتی چیز، جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں،

اس مادّی زندگی کی لذّتوں اور فائدوں کے سوا کسی اور حقیقت کا یکسر وجود نہیں اور ہمارا سارا ادب، فلسفہ اور پورا ماحول اسی کی تلقین کرتا ہو، اسی کی مثالیں سند اور معیار کے طور پر پیش کر رہا ہو، زندگی بعد موت کا تصور ختم ہو چکا ہو، اخلاقی قدروں اور زندگی کی دوسری بلند اور لطیف تر حقیقتوں نے خالص مادّی وجسمانی احساسات کے لئے جگہ خالی کر دی ہو، پیٹ اور جسم نے پھیل کر زندگی کی ساری وسعت گھیر لی ہو اور تمام دوسری حقیقتوں کو نظروں سے اوجھل کر دیا ہو، وہاں انسان خود غرض کیوں نہ ہو؟ اور وہ اس اول و آخر زندگی کی لذّتوں اور منفعتوں کو کس دن کے لئے اٹھا رکھے اور اس زندگی سے لطف اندوزی میں کس لئے بخل اور احتیاط سے کام لے؟ پھر جب اس کو کسی بالاتر نگرانی اور کسی قادر و توانا ذات اور کسی ہمہ بیں وہمہ داں ہستی کا بھی اعتقاد اور خوف نہ ہو تو وہ ان اغراض کے حصول کے لئے جو اس کی زندگی میں خوشحالی یا لذّت و لطف پیدا کریں ان اسباب و ذرائع کے اختیار کرنے میں پس وپیش سے کام لے جو اس کے لئے کسی وقت بھی ممکن ہو سکیں۔

اور پھر جب مادّہ پرست سیاسی فلسفہ نے انسان کی زندگی کو ایک قوم اور وطن کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے، اور ہر ایسے تصور اور ہمدردی کو ذہن سے نکال دیا ہے جس کا دائرہ ایک قوم یا وطن سے زیادہ وسیع ہو اور ہر ایسی چیز کو راستہ سے ہٹا دیا ہے، جو انسانیت کا وسیع تر تصور اور زندگی کا غیر فانی تخیل پیش کرتی ہو تو انسان کی فطری خود غرضی اپنے انتہائی ارتقاء میں بھی قومی اور وطنی خود غرضی کی سطح سے کس طرح بلند ہو سکتی ہے؟ اور وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کسی جائز و ناجائز فعل کے ارتکاب سے کس طرح احتیاط کر سکتی ہے؟

یہ خود غرضی اور مطلب پرستی اس موجودہ نظامِ معاشرت و سیاست کا جنم روگ ہے، جب تک اس کا ازالہ نہ ہو ظاہری انتظامات، اصلاحات و ترقیات کچھ زیادہ نتیجہ خیز نہیں، سیاسی طور پر ملک آزاد و خود مختار ہو یا غیر ملکی حکومت کے ماتحت جب تک ہماری سوسائٹی پر خود غرضی مسلط ہے، دولت و عزّت کا عشق تمام ملک پر چھایا ہوا ہے، ذمہ داری کا احساس افراد کے دلوں سے نکل چکا ہے، اور معاشرہ کا قلبی رجحان زیادہ سے زیادہ لطف اندوزی، فرضی ضروریات کے حصول اور خواہشاتِ نفس کی تکمیل کی طرف ہے، علاوہ سوسائٹی زندگی کی حقیقی مسرّتوں اور آزادی کے عملی نتائج سے محروم رہے گی۔

معاشرہ کا اندرونی روگ

ہم دیکھ رہے ہیں کہ سوسائٹی پر ایک غیر طبعی فربہی چھا رہی ہے، وہ اپنی ظاہری آرائش میں بھی ترقی کر رہی ہے، فاقہ کشی اور عریانی کا تناسب بھی کم ہو رہا ہے، اور بعض ملکوں میں معاشی ناانصافی کا خاتمہ ہو گیا ہے، تعلیم عام ہو رہی ہے نئے نئے مشغلوں کی کثرت ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سوسائٹی کو اندر سے روگ لگ چکا ہے، جو اندر اندر سے اس کو گھلا رہا ہے، جب لوگوں میں ناانصافی گھر کر گئی ہو تو محض معاشی ناانصافی کو مٹا دینے سے کسی ملک میں حقیقی انصاف اور عام ہمدردی پیدا نہیں ہو سکتی، معاشیات کے علاوہ بھی زندگی کے بہت سے میدان ہیں، جن میں انسان کو انسان پر ظلم کرنے، اس کا حق دبانے اور کم سے کم اس کو تنگ کرنے کے پورے مواقع حاصل ہیں، جب تک لوگوں کے اس ناانصافی اور ظلم کی طرف رجحان اور خود غرضی کا بیج

نہ نکالا جائے کوئی شہری نظام ظلم و ناانصافی اور بد دیانتی سے پاک نہیں ہوسکتا۔

خوشحالی اور ترقی کی بنیادیں

ایشیا میں ابھی حال میں جو نئی خود مختار ریاستیں قائم ہوئی ہیں یا جن ممالک کو نئی نئی آزادی حاصل ہوئی ہے، وہ بھی اس حقیقت کو نظر انداز کر رہے ہیں کہ ملک کی خوشحالی اور قوم کی ترقی صرف زندگی کی ظاہری تنظیمات اور وسائل کے حصول میں نہیں ہے بلکہ ان مقاصد کی صحت میں ہے، جن کے لئے یہ وسائل استعمال ہوتے ہیں رجحان کی درستی اور انصاف و ہمدردی کے قلبی جذبات میں ہے، اور یہ چیزیں کسی مشینی طریقہ اور سیاسی تنظیم سے نہیں پیدا ہوتیں اگر یہ کسی مشینی طریقہ یا سیاسی نظام سے پیدا ہوسکتیں اور وسائل زندگی کی فراہمی اور ملک کی ظاہری تنظیم حقیقی خوشحالی امن و اطمینان اور قلبی سکون کی ضامن ہوتی تو یورپ و امریکہ کی مستحکم و منظم سلطنتیں امن و سکون کا گہوارہ ہوتیں اور وہ ممالک جنت نظیر ہوتے مگر سب جانتے ہیں کہ ان ممالک کو حقیقی اطمینان نصیب نہیں، وہاں کی اندرونی الجھنیں کوئی چھپا ڈھکا واقعہ نہیں۔

مقاصد کی صحت، رجحان کی درستی اور انصاف و ہمدردی کے قلبی جذبات کا سرچشمہ ایک صحیح و طاقتور اخلاقی و روحانی مذہب ہی ہے، جو انسان کے جسم کے ساتھ اس کے دل پر بھی حکومت کرے، جو اس کی خواہشات کو اپنے ضبط و نظم میں رکھے، جو اپنی روحانی طاقت سے اس سے بنی نوع انسان کے حق میں ایثار و قربانی کرا سکے جو اس محدود و مختصر زندگی کے علاوہ کسی ایسی غیر فانی زندگی کو اس کی نگاہ میں اس طرح

حقیقت بنا سکے کہ اس کے شوق میں آدمی اس زندگی میں اعتدال و احتیاط سے کام لے جو اس کے سامنے کھانے پینے، رہنے سہنے پہننے اوڑھنے دولت و عزت حاصل کرنے اور حیوانی تقاضوں کو انسانی عقل و ہنرمندی سے پورا کرنے کے علاوہ انسانیت اور زندگی کے کچھ اور معانی بتلا سکے اور انسان کی زندگی کے کچھ زیادہ بلند مقاصد انسان کے سامنے لا سکے، ایسے ہی مذہب کی صحیح تعلیم اس خود غرضی اور کوتاہ نظری کو زائل کر سکتی ہے جس سے ہمارا موجودہ نظام معاشرت و سیاست داغ داغ ہو رہا ہے۔

مبارک ہیں وہ ہاتھ جو مظلوم انسانیت کے جسم کی سوئیوں کو نکالنے کے لئے بڑھیں مگر یاد رہے کہ آنکھوں کی سوئیاں نکالے بغیر اس کو سکھ کی نیند اور دل کا چین حاصل نہیں ہو سکتا، آزادی اور حکومت خود اختیاری کا حاصل کرنا بڑا ضروری کام اور اعلیٰ مقصد ہے، ملک سے فاقہ کشی، بیروزگاری اور افلاس کو دور کرنا، معاشی ناانصافیوں کا خاتمہ کرنا اور ہر شخص کے لئے ضروری وسائل زندگی کا مہیا کرنا نہایت مبارک کام ہے، اور جو لوگ اس میں حصہ لیں وہ انسانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں لیکن ان کو اپنے کام کو بالکل ادھورا اور ناقص سمجھنا چاہئے جب تک انسانیت کے دل کی پھانس اور آنکھ کی کھٹک دور نہ ہو، اس کا ضمیر خدا ترس اور پاک باز نہ ہو جائے، اس میں ذمہ داری کا احساس نہ پیدا ہو جائے اس کی نظر شکم پروری اور تن پروری سے بلند ہو کر بنی نوع انسان کے عام فائدوں پر نہ ہو اس میں وسعت نظر اور عالی حوصلگی نہ پیدا ہو جائے، وہ ضروریاتِ زندگی اور فضولیاتِ زندگی میں فرق نہ کر سکے اور اس کو ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کرنے اور اپنے نفس کے خلاف کرنے میں دقت نہ ہو۔

کئی بار اس جسم کی سوئیاں نکالنے کے لئے انسانیت کے ہمدرد ہاتھ بڑھے لیکن

ہر بار انھوں نے آنکھوں کی سوئیاں چھوڑ دیں اور رات ہو گئی کسی ملک کو اس کے فرزندوں نے اپنی قربانیوں اور بہادری سے آزادی دلائی، کہیں ارادے کے پکے انسانوں نے جابر شخصی سلطنتوں کا تختہ الٹ کر ملک میں جمہوری نظام اور عوامی حکومت قائم کی لیکن دل کی پھانس دل کے دل ہی میں رہ گئی، ملک کا نظم و نسق کرنے والے بدل گئے مگر نظم و نسق کا طریقہ اور حکومت کی روح اور اس کا مزاج نہ بدلا، اب بھی کئی ملکوں میں معاشی انقلاب کی جد و جہد جاری ہے لیکن لوگ پیٹ کی سوئیاں دیکھ رہے ہیں، اور آنکھوں کی سوئیوں کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں، انسانیت فریادی ہے کہ رات آنے سے پہلے جسم کی سوئیوں کے ساتھ آنکھوں کی سوئیاں بھی نکال دی جائیں تاکہ اس کو حقیقی سکون دیرپا راحت اور متوازن زندگی حاصل ہو۔

سیاسی آزادی لیکن تہذیبی غلامی

یہ تقریر ۲۶ / جون ۱۹۶۹ء یوم پنجشنبہ آٹھ بجے شب کو لیڈس یونیورسٹی[1] کے یونین ہال میں کی گئی، ہال برصغیر ہند و پاک کے طلبہ اور عرب نوجوانوں سے بھرا ہوا تھا، مقرر نے عرب نوجوانوں کو الگ خطاب کیا، یہاں پر صرف اردو تقریر ٹیپ کی مدد سے پیش کی جاتی ہے۔

---

[1] یہ انگلستان کے مشہور شہر لیڈس (LEEDS) میں واقع ہے، اور اسی کی طرف منسوب ہے۔

سیاسی آزادی لیکن تہذیبی غلامی

خطبۂ مسنونہ کے بعد!

مجھے بڑی مسرت ہے کہ آج آپ کی مؤقر یونیورسٹی میں آپ سے گفتگو کرنے کا موقع مل رہا ہے، مجھ جیسا طالب علم اور ایک ایسا آدمی جو خاص خیالات رکھتا ہے، اور کچھ باتیں اپنے عزیز دوستوں سے کہنا چاہتا ہے، وہ ایسے موقع کو غنیمت سمجھے گا ہو سکتا ہے کہ ایسے مواقع آپ کے لئے نادر نہ ہوں لیکن میرے لئے یقیناً بہت غنیمت ہے کہ مجھے ایک تعلیم یافتہ مجمع سے اور اپنے عزیز دوستوں سے بات کرنے کا موقع مل رہا ہے۔

مشرق سے مغرب کا تعارف

آپ کو معلوم ہے کہ مغربی تہذیب کا تعارف ہمارے مشرقی ممالک سے انیسویں صدی کی ابتدا میں ہوا، مغربی تہذیب درحقیقت اسی صدی کے اوائل میں اس قابل ہوئی تھی کہ مشرق کی طرف بڑھے اور اس کو کچھ دے سکے، اس وقت قرون مظلمہ کی (جس کو تاریخ میں (DARK AGES) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) یورپ میں تاریکی چھٹی اور اس کو آزادی کے ساتھ اپنا سفر طے کرنے اور علم و تجربہ کے میدان میں پیش قدمی کرنے کا موقع ملا اس کے بعد اس نے مشرق کی طرف نظر اٹھائی

اس سے پہلے بعض عرب ممالک یعنی خلافت عثمانیہ کے بعض مقبوضات کی طرف کچھ مغربی طاقتیں بڑھ چکی تھیں لیکن وہ زیادہ قابلِ ذکر واقعہ نہیں، مغربی تہذیب کا اصل تعارف اس وقت ہوا جب ہندوستان اور مصر براہِ راست ایک عظیم مغربی قوم کے تسلط میں آئے، ہندوستان، مصر اور ترکی یہ تین ممالک ایسے تھے، جو مختلف حیثیتوں سے نہ صرف دنیائے اسلام میں بلکہ اس وقت کی معاصر دنیا میں بڑی اہمیت رکھتے تھے۔

ہندوستان

ہندوستان کی اہمیت یہ تھی کہ وہ ایک کثیر تعداد مسلمان قوم کا وطن تھا، مسلمان وہاں ایک بڑی تعداد میں رہتے تھے، اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ صدیوں تک وہاں حکومت کر چکے تھے، انھوں نے اسلامی علوم میں بہت بڑا اضافہ کیا تھا، انھوں نے اپنی ذہانت اور اپنے علم و فضل اپنے علمی شغف اور اپنی صلاحیت کا مختلف میدانوں میں بڑا ثبوت دیا تھا، ۱۸۵۷ء میں جب باقاعدہ انگریزی حکومت کا اقتدار ہندوستان پر قائم ہو گیا، اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے بجائے وہاں پر منظم اور باقاعدہ حکومت قائم ہو گئی تو یہ سمجھا جانے لگا کہ اب ہندوستان انگریزی اقتدار کے قبضے میں رہے گا۔

مصر

مصر کی اہمیت یہ تھی کہ وہ عربی زبان اور عربی علوم کا بہت بڑا مرکز

تھا، وہاں جامع ازہر موجود تھا، اور وہاں کے علماء ادباء، شعراء اور وہاں کی کتابیں عالم اسلام میں بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔

ترکی

ترکی کے متعلق بھی مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، وہ خلافت کا مرکز تھا، اور بڑی حوصلہ مند باصلاحیت اور جواں مرد قوم وہاں رہتی تھی جس نے دنیا کی تاریخ میں بہت بڑا کردار ادا کیا تھا —— ان تین ملکوں کا جب مغربی تہذیب سے تعارف ہوا تو ان کے لئے یہ ایک نیا تجربہ اور تاریخ کا ایک نیا موڑ تھا، اس کو آپ خوش قسمتی کہئے یا بدقسمتی، بلکہ شاید خوش قسمتی بھی تھی اور بدقسمتی بھی، بدقسمتی اس لحاظ سے کہ یہ تینوں ممالک قریب قریب ایک ہی وقت میں انگریزی اقتدار سے متاثر ہوئے، ہندوستان پر تو براہِ راست انگریزوں کا قبضہ ہو گیا، اور مصر میں بھی انتداب کے نام سے اور قرض وصول کرنے کے عنوان سے انگریزوں نے اپنے نمائندے مسلط کر دیئے، ترکی پر براہِ راست اثر تو نہیں پڑا لیکن انگریزی سیاست کا یہ ملک بھی بڑا شکار ہوا، اس لئے حقیقت میں مشرق کا تعارف مغربی تہذیب سے اسی قوم کے ذریعہ ہوا جس قوم کا یہ وطن ہے جہاں آج ہم آپ جمع ہیں —— آج مؤرخین اسی قوم کے متعلق یہ بات کہہ رہے ہیں کہ مشرق کو پہلا زخم اس سے لگا، اس کو اپنی پستی، اپنی پسماندگی اور سیاسی و فوجی کمزوری کا پہلا احساس اسی قوم کے ذریعہ ہوا جو اس سرزمین سے تعلق رکھتی ہے، یہ انیسویں (۱۹) صدی کے اوائل یا وسط کا زمانہ تھا اس کے بعد آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ان ممالک میں آزادی کی تحریک شروع ہوئی

اور اس میں تقریباً تمام ملکوں نے براہ راست مغربی اقتدار سے نجات حاصل کرلی، ان میں ہندوستان کو میں اس لئے اہمیت دیتا ہوں کہ اس وقت حاضرین کی بڑی تعداد اس برصغیر سے تعلق رکھتی ہے یہ دور تو ختم ہوگیا اور اس کو ختم ہوجانا چاہیے تھا اس لئے کہ یہ دور غیر فطری تھا، سات سمندر پار سے کوئی قوم آئے اور کسی زرخیز ملک کسی بڑے وسیع رقبہ پر اس ملک کے باشندوں کی مرضی کے خلاف حکومت کرے یہ بالکل غیر فطری عمل تھا، اور اس میں باقی رہنے کی قدرتی صلاحیت نہ تھی، اور اگر اس وقت تھی تو کچھ دنوں کے بعد ختم ہونے والی تھی، اور اس لحاظ سے انگریز بھی اپنے معاصر فرانسیسیوں کے مقابلہ میں حقیقت پسند کہے جاسکتے ہیں کہ انھوں نے جلدی اس حقیقت کو تسلیم کرلیا اور ان ملکوں کو آزادی دے دی۔

سیاسی آزادی لیکن تہذیبی غلامی

ان ملکوں نے سیاسی آزادی تو حاصل کرلی اور اس آزادی سے آج ہندوستان اور پاکستان دونوں فائدہ اٹھا رہے ہیں، لیکن اس تہذیب کی ذہنی، اخلاقی اور دماغی غلامی سے ابھی تک ان کو نجات نہیں حاصل ہوئی، آپ میں سے جن حضرات کا موجودہ حالات کا گہرا مطالعہ ہے وہ اس سے اتفاق کریں گے کہ سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد ذہنی غلامی اور علمی غلامی کی زنجیریں اور زیادہ مضبوط ہوگئیں، اس کے اسباب کیا تھے؟ یہ بحث طویل ہے، اور بعض لوگوں نے اپنی کتابوں میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے مجھے بھی اپنی ایک ناچیز

تصنیف[1] میں اس پر اظہارِ خیال کرنے کا موقع ملا ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ جتنے ممالک آزاد ہوتے چلے جا رہے ہیں، وہ سیاسی طور پر تو آزاد ہو رہے ہیں، لیکن ذہنی فکری اور علمی طور پر زیادہ غلام ہوتے جا رہے ہیں، اب آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان دونوں راستوں میں سے کون سا راستہ بہتر تھا، یعنی سیاسی آزادی اہم تھی یا ذہنی اور فکری آزادی زیادہ اہم تھی، میں سیاسی غلامی کی تو کسی طرح حمایت نہیں کر سکتا، بلکہ کوئی شخص اس کے سوچنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا ہے، ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو بدیشی اقتدار اور غیر ملکی حکومت کی طرف سے مدافعت کرے اور اس کو حق بجانب ثابت کرے یا اس کے لئے کلمۂ خیر کہے، اگر ایسا ہوگا تو یہ قوم کی طفلانہ اور غلامانہ ذہنیت سمجھی جائے گی، میں ایک منٹ بھی اس کا تصور نہیں کر سکتا۔

لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تمام مشرقی ممالک جس میں ہندوستان پاکستان بھی شامل ہیں، اور کسی حد تک (عرب دوستوں سے معذرت کے ساتھ) وہ عرب ممالک اس میں پیش پیش ہیں، جو اب تک حقیقی آزادی کے مفہوم سے آشنا نہیں، ان کو ابھی تک حقیقی آزادی کا ذائقہ چکھنے کا موقع نہیں ملا، وہ جس دن بلکہ جس گھڑی سے آزاد ہوئے اس گھڑی سے انھوں نے اپنے گلے میں غلامی کے ایسے بھاری طوق و سلاسل ڈال لئے اور فکری، علمی، سیاسی اور اقتصادی حیثیت سے انھوں نے اپنے کو مغرب کا ایسا دست نگر بنا دیا کہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس ملک میں اس ملک کی رہنے والی قوم حکومت کر رہی ہے اور عہدے کسی غیر قوم کے پاس نہیں ہیں، اس کے سوا کسی معنی میں بھی ان قوموں کو آزاد نہیں کہا جا سکتا۔

---

[1] مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش۔

ہم دینی تحقیقات میں بھی مغرب کے دست نگر ہیں

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہم علم مغرب سے لیتے ہیں، زندگی کا معیار مغرب سے لیتے ہیں، یہاں تک کہ ہم دینی نظریات اور دینی تحقیقات بھی مغرب سے لیتے ہیں، اس وقت علوم اسلامیہ میں بھی انہی مغربی یونیورسٹیوں کی نظر دیکھی جاتی ہے، مستشرقین کا لوہا نہ صرف مغرب میں بلکہ مشرق میں بھی مانا جاتا ہے، اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ مستشرقین جو کچھ کہہ دیں وہ حرف آخر ہے، اور اس پر کسی تبصرہ کا کوئی جواز نہیں، یہ وہ صورتِ حال ہے جس سے اس وقت کوئی اسلامی ملک مستثنیٰ نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حقیقی آزادی سے فائدہ اٹھانے کا ان ملکوں اور قوموں کو ابھی تک موقع نہیں مل سکا، ان کے دماغوں پر مغرب کے تفوق، مغرب کے نظریات اور زندگی کے مغربی نقطۂ نظر کا اتنا بڑا بوجھ رکھا ہوا ہے کہ اس بوجھ کے نیچے یہ قومیں دبی بلکہ کچلی جا رہی ہیں، بعض ایسے بھی خوش قسمت ملک ہیں کہ وہاں کی کل آبادی مسلمان ہے، لیکن انھوں نے ابھی تک اپنی زندگی کا کوئی ایسا نقشہ نہیں بنایا جو ان کے معتقدات اور ان کے مسلمات (یعنی جن چیزوں کو وہ تسلیم کرتے ہیں، اور طے شدہ عقیدہ سمجھتے ہیں) اس کے وہ مطابق ہو، ذہنی انتشار میں مبتلا ہیں، جس کا نتیجہ سوائے کمزوری اور پراگندگی اور سوائے بے اعتمادی اور کشمکش کے کچھ اور نہیں ہو سکتا۔

فاسد قیادت

ایک اور بڑی کشمکش ان ملکوں میں یہ برپا ہے کہ ان ملکوں کی زمامِ قیادت

یعنی ان کی باگ ڈور جن کے ہاتھ میں ہے، وہ مغربی نظریات پر پورا پورا عقیدہ رکھتے ہیں گو ان کا نام مسلمانوں کا ہے، ان کی رگوں میں مسلمانوں کا خون ہے، وہ بہت اچھے اور قابلِ فخر خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کو اسلام سے انکار بھی نہیں لیکن ان کا ذہن، ان کا عقیدہ بالکل مغربی سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے، اور جن قوموں سے ان کا واسطہ ہے، ان کی بدقسمتی کہئے یا خوش قسمتی کہ وہ قومیں سیدھی سادھی مسلمان ہیں، وہ اللہ رسول پر عقیدہ رکھتی ہیں، ان کو یہ یقین ہے کہ مرنے کے بعد ایک زندگی آنے والی ہے، وہاں جنت ہے، دوزخ ہے، وہاں ہر عمل کا حساب دینا ہوگا، یہاں کا عیش بھی فانی یہاں کی راحت بھی فانی اور یہاں کی تکلیف بھی فانی ہے، ان کے سامنے وہ مقاصد ہیں جو مادی مقاصد سے بالاتر ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ صرف کھا پی لینا اور صرف اچھی مرفہ الحال اور آسودہ زندگی گزار لینا منزلِ مقصود نہیں، بلکہ اچھا انسان بننا خدا سے ڈرنا، نیکی اختیار کرنا برائی سے بچنا اور صرف ستھری پاکیزہ زندگی اختیار کرنا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت اور شریعت کے مطابق عمل کرنا ان کے اسوہ اور نمونے پر چلنا، انسانیت کی خدمت کرنا، ساری دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچانا انسانیت جن مشکلات سے دوچار ہے اس میں اس کی مدد کرنا وہ اصل کام ہے، جو ایک مسلمان کے شایانِ شان ہے۔

لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہے، وہ زندگی کا بالکل ایک دوسرا نقطۂ نظر رکھتے ہیں، ان کا عقیدہ بہت سی اسلامی حقیقتوں پر سے متزلزل ہو چکا ہے، ان کو بہت سی چیزوں میں شک ہے، یہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں،

اس کے پیچھے کوئی اور دنیا ہے، اس شہود کے پیچھے کوئی غیب ہے، اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ہے، اور ان چیزوں کے علاوہ جن سے آدمی کو لذت وعزت حاصل ہو رہی ہے کچھ اور حقیقتیں ہیں جن سے آدمی کو لذت حاصل ہو سکتی ہے، جن سے اس کو سکون اور خوشی حاصل ہو سکتی ہے، اس قسم کی کوئی چیز ان کے سامنے نہیں ہے، اس وقت ہمارے مشرقی ممالک میں ایسی غیر معمولی کشمکش بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں غیر ضروری کشمکش برپا ہے، جس میں بہت بڑی انرجی ضائع ہو رہی ہے، کل میں اپنے عرب دوستوں سے کہہ رہا تھا کہ ہماری مشرقی قومیں وہ ہیں کہ اگر ان کو صحیح قیادت مل جائے اور صحیح رہنما میسر آجائیں جو ان کی اندرونی صلاحیتوں سے واقف ہوں، ان کے اندر خدا نے جو ناقابل تسخیر طاقتیں رکھی ہیں، ان کے اندر زندگی کا جو جوش ہے، قربانی کا جو جذبہ ہے، ایثار کا جو مادہ ہے، جس چیز کو یہ صحیح سمجھ لیں اس پر مٹ جانے کی جو صلاحیت ہے اگر ہمارے ان ممالک کے رہنما ان کی ان مخفی اور پوشیدہ طاقتوں سے واقف ہو جائیں اور وہ اس سے باخبر ہوں کہ ان قوموں کا مزاج کیا ہے؟ ان کا خمیر کیا ہے؟ ان قوموں کا نشو و نما کس طرح ہوا ہے؟ ان کی تاریخ کیا ہے؟ تو یہ اتنی بڑی طاقت بن سکتی ہیں کہ اس طاقت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔

ایمان کی طاقت

ان مشرقی ممالک کے اندر اگر کوئی طاقت ہے تو وہ ایمان کی طاقت ہے، وہ طاقت اس بات کی ہے کہ خدا کا نام لے کر ان سے بڑے سے بڑا کام لیا جا سکتا ہے

خدا کے نام میں ان کے لئے اب بھی اتنی کشش ہے کہ یہ قومیں اس پر اپنی جان، اپنی اولاد، اپنا گھر بار سب قربان کر سکتی ہیں، خدا کے نام میں، شہادت میں، جہاد کے لفظ میں، اسلام کی خدمت کے نعرہ میں ان کے اندر اتنی کشش ہے، اور ایسی مقناطیسی طاقت ہے کہ اس موقع پر ان کو اپنا ہوش باقی نہیں رہ سکتا اور اس وقت ان کا مقابلہ آسان نہیں ہوتا۔

عالم اسلام کے قائدین

لیکن افسوس ہے کہ جو لوگ ان یونیورسٹیوں سے تیار ہو کر جاتے ہیں، وہ سب سے واقف ہوتے ہیں، لیکن خود اپنی قوموں کی صلاحیتوں سے واقف نہیں ہوتے بلکہ اپنے سے بھی واقف نہیں ہوتے، مجھے آپ اس صاف گوئی پر معاف کریں، اقبال نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

یہاں سے جو لوگ جاتے ہیں، وہ یہاں تک دنیا کے جغرافیہ، تاریخ اور جدید نفسیات، قوموں کی نفسیات، انسان کی نفسیات کا تعلق ہے، اور جو کچھ بھی یہاں انھوں نے پڑھا ہے، اس کی باریک سی باریک باتوں سے وہ واقف ہوتے ہیں، لیکن اگر کسی چیز سے واقف نہیں ہوتے تو اپنی قوموں کی فطرت سے، جس سوسائٹی میں وہ جا رہے ہیں، جس ماحول میں ان کو کام کرنا ہے، جن انسانوں میں ان کو رہنا ہے، جن لوگوں سے ان کو کام لینا ہے، جو ان کے ہاتھ پاؤں ہیں، جو ان کے

ہتھیار ہیں، ان سے وہ پورے طور پر واقف نہیں ہوتے، وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کے اندر کون سا خزانہ دفن ہے، ان کے اندر وہ کیا برقی طاقت ہے جس نے دنیا کا تختہ ہلا کر رکھ دیا تھا، اور اس کا مقابلہ دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی نہیں کر سکی تھیں۔

دل کی زبان

آج بھی ہماری ان مشرقی قوموں میں وہ طاقت موجود ہے، ایمان کی طاقت! لیکن یا تو ہمارے یہ قائدین ایمان سے آشنا نہیں ہوتے یا پھر وہ ایمان کی زبان نہیں جانتے یعنی ان کے دل کی زبان نہیں جانتے، وہ ان کے دماغ کی زبان تو جانتے ہیں، وہ زبان تو وہ جانتے ہیں جن سے وہ ان کے دماغوں کو سنا سکیں اور مجھے تو اس میں بھی شبہ ہے کہ وہ ان کے دماغوں کو بھی سنا سکتے ہیں؟ ہاں البتہ ان کے کانوں کو ضرور سنا سکتے ہیں، مگر دل کی زبان سے وہ بالکل نا آشنا ہیں، وہ ان سے اس زبان میں بات نہیں کر سکتے جو سیدھی ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے جو ان کے دل کے ساز چھیڑ دے جو ان کو دیوانہ اور مجنوں بنا دے، جو ان کو ہتھیلی پر سر رکھ کر میدانوں میں لے آئے، ایمان کی زبان، قرآن کی زبان، صحابہ کی زبان، جب تک کوئی شخص کسی کی زبان نہ جانے وہ اس سے کیسے بات کر سکتا ہے، میں اگر یہاں کے انگریزی فضلاء سے بات کرنا چاہوں اور مجھے انگریزی پر قدرت نہ ہو، اور وہ میری زبان نہ سمجھتے ہوں تو "زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم" کا منظر ہوگا۔

ان قائدین کا حال بھی کچھ یہی ہے، وہ ان سے اس طرح بات کرتے ہیں،

جیسے مغربی قوموں سے بات کرنا چاہیے، حالانکہ ان کو سمجھنا چاہیئے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والوں سے بات کر رہے ہیں، وہ ان قوموں سے بات کر رہے ہیں، جن کو سب سے زیادہ جو چیز تڑپانے والی، حرکت میں لانے والی ان میں جوش پیدا کرنے والی، بیماروں کو بستر مرگ سے اٹھا کر اور ضعیفوں اور اپاہجوں کو جوانوں کی طرح سرپٹ دوڑانے والی ہے، وہ بھی ایمان کی زبان ہے، وہ یہ ہے کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ آپ بھی ان حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہیں آپ کے لئے بھی یہ حقیقتیں لذیذ ہیں، یہ مقاصد عزیز ہیں آپ بھی مسلمان ہیں، وہ بھی مسلمان ہیں، مسجدوں میں جا کر آپ ان سے بات کر سکیں آپ ان سے ان کے محلوں میں جا کر بات کر سکیں اور صرف بات کرنا نہیں بلکہ اس زبان میں بات کر سکیں جس کو وہ خوب سمجھتے ہیں اور چودہ سو برس سے سمجھتے چلے آ رہے ہیں۔

میں ہرگز یہ پوزیشن اپنے لئے قبول نہیں کر سکتا کہ میں جدید علوم کی مخالفت کروں، آپ کو ان یونیورسٹیوں میں زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کرنا چاہیئے بلکہ ہم تو آپ کو اور آپ کے والدین کو مبارک باد دیں گے بلکہ دیتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ہمارے مسلمان نوجوان کو جدید علوم میں بڑے سے بڑا مرتبہ حاصل کرنا چاہیئے ان کو ان میں اتھارٹی بننا چاہیئے اور بڑے محقق کا درجہ حاصل کرنا چاہیئے یہ موجودہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

مقصد اور وسائل کا فرق

لیکن میرے عزیزو اور دوستو آپ جانتے ہیں کہ مقصد اور وسیلہ میں

زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے، میری یہ چھڑی بڑی کار آمد چیز ہے، میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں مجھے یہ سہارا دیتی ہے، میں اس سے مدافعت بھی کر سکتا ہوں لیکن مگر چھڑی بجائے خود مقصد نہیں اگر اس سے بہتر چیز مجھے ملے یا میں اس سے بے نیاز ہو سکوں تو میں خود بخود اس کو چھوڑ دوں گا، ایک زمانے میں اس سے ہتھیار کا کام لیا جاتا تھا لیکن اس سے زیادہ کارگر اور مؤثر ہتھیار ایجاد ہوئے تو لوگوں نے اس کو چھوڑ کر بندوق لے لی۔

قدیم و جدید کا فلسفہ

اس لئے یہ جدید اور قدیم علم کی تقسیم بالکل غلط ہے، میں کبھی اس کا قائل نہیں رہا کہ علم جدید اور قدیم ہوتا ہے، علم ہمیشہ تازہ ہی ہوتا ہے، وہ جس کو آپ قدیم کہہ رہے ہیں، اپنے زمانے میں بالکل جدید تھا اور جسے آپ جدید کہہ رہے ہیں، بالکل ممکن ہے، وہ پچاس برس بعد ایسا قدیم ہو جائے کہ اس کا نام لینا بھی بڑے عیب اور شرم کی بات ہو جائے، یہ قدیم و جدید کی بحث بالکل لایعنی اور بہت سطحی بحث ہے، آپ زبانوں میں مہارت پیدا کریں، علوم میں کمال پیدا کریں، یہاں کے جتنے شعبے ہیں کیمسٹری سے لے کر انجینئری تک اور آرٹ، تاریخ، فلسفہ اور نفسیات سب میں بہت شوق سے آپ کمال پیدا کریں لیکن آپ اس کو ایک ذریعہ سمجھیں، آپ یہ سمجھیں کہ جس میدان میں آپ کو کام کرنا ہے، اس میدان میں آپ کو اس سے کام لینا ہے۔

جسم مشرق میں لیکن دل و دماغ مغرب میں

اس وقت ہمارے مشرقی ممالک میں جو انتشار ہے، اور جس کو میں نے غیر ضروری کشمکش سے تعبیر کیا تھا، اور جس پر بڑی طاقت ضائع ہو رہی ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہمارے قائدین مغربی دنیا میں رہتے ہیں یعنی وہ مشرق میں رہتے ہوئے بھی مغرب میں رہتے ہیں وہ جسم کے ساتھ مشرق میں رہتے ہیں، مگر دل و دماغ کے ساتھ مغرب میں رہتے ہیں، جن قوموں سے ان کا واسطہ ہے، جن میں ان کو جینا اور مرنا ہے، جن کے ساتھ ان کی قسمت وابستہ کر دی گئی ہے، وہ قومیں سچی مسلمان ہیں، اور ان سے اگر کوئی کام لیا جا سکتا ہے، تو مسلمان کی حیثیت سے آپ صحرائے افریقہ کی کسی ایسی قوم کے فرد نہیں ہیں، جس نے ابھی ابھی آنکھیں کھولی ہوں ایسی بہت سی قومیں افریقہ میں ہیں، میں ان کی تحقیر نہیں کرتا جنھوں نے ابھی ابھی دنیا دیکھی ہے، ابھی ان کو معلوم ہوا ہے کہ دنیا میں کچھ اور بھی ہے، اب بھی بہت سی مردم خور قومیں موجود ہیں، کل ہی ایک صاحب مجھ سے فرما رہے تھے کہ فیجی (FEEJI) میں جب پہلا پادری پہنچا تو اس کو وہاں کے لوگوں نے برکتاً کباب بنا کر کھا لیا اور اس پادری کے بوٹ کو برکت کے طور پر ابال ابال کر اس کا سوپ پیتے رہے، تو آپ کسی ایسی قوم کے فرد نہیں جس کی کوئی تاریخ نہ ہو، کوئی عقیدہ نہ ہو، کوئی ماضی کوئی تہذیب نہ ہو، کوئی ایسی قوم نہیں جو ایک دم سے تاریکی سے روشنی میں آ گئی، اور یہاں آتے ہی اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں کہ یا اللہ یہ ترقیاں، یہ ایجادیں، یہ بجلی کی روشنی، یہ ہوائی جہاز،

یہ آٹو میٹک کرشمے اور یہ نئی نئی تحقیقات اور یہ لندن کا شہر اور یہ انسان کا ترقی یافتہ ملک کیا عجوبہ ہے! آپ یقین کیجئے آپ کسی خانہ بدوش اور صحرائی قوم کے فرد نہیں ہیں۔

آپ اس اُمّت کے فرد ہیں جس نے انسانیت کو نجات دی

آپ اس قوم کے فرد ہیں، جس نے ایک زمانہ میں عام دنیا کی قیادت کی ہے جس نے انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تیرایا ہے، میں کل ہی اپنے عرب دوستوں سے کہہ رہا تھا کہ جس وقت انسانیت کی کشتی ڈوب گئی اور دلدل میں پھنس گئی اور کوئی اس کا نکالنے والا نہ تھا تو یہی امّت مسلمہ اور یہی عرب جو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے تھے آگے بڑھے اور انھوں نے اس کشتی کو دلدل سے نکالا اور آج ہم آپ اس کشتی میں بیٹھے ہوئے اپنا سفر طے کر رہے ہیں آپ ایک ایسی قوم کے فرد ہیں جس کو مغرب سے اصولی اختلاف ہے، جو اس مغرب کی حقیقتوں پر آنکھ بند کر کے ایمان نہیں لائی، ہمارے قائدین کی کوتاہی اور مشرقی قوموں کی پست ہمتی کہ ہم نے علوم کے میدان میں ترقی نہیں کی، اس کے برخلاف یورپ نے اس میں خاطر خواہ فتوحات حاصل کیں، یہ ہماری بدقسمتی تھی، ورنہ اصل میں دنیا کی رہنمائی اور دنیا کی اتالیقی اور نگرانی ہمارے سپرد تھی اور میں دعویٰ کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ آج بھی صرف مسلمان ہی اس قابل ہیں کہ وہ دنیا کی رہنمائی کریں، ان مغربی قوموں کی رہنمائی کا حشر تو ہم نے آپ نے دیکھ لیا، انھوں نے انسانیت کا دامن ایجادات سے بھر دیا انھوں نے ناممکن کو ممکن کر کے

بتا دیا ایک یورپین فلاسفر نے بہت فخر کے ساتھ ایک ہندوستانی فلسفی سے کہا کہ اب ہم نے ایسے تیز رفتار ہوائی جہاز نکالے ہیں جو بحر اٹلانٹک کو چند گھنٹوں میں طے کر لیتے ہیں، وہ اس طرح دیر تک مغربی تہذیب کی کامیابی اور فتوحات کا قصیدہ پڑھتے رہے اور وہ ہندوستانی فلسفی بہت صبر و سکون سے سنتے رہے جب وہ کہہ چکے تو ہندوستانی فلسفی نے کہا ٹھیک ہے آپ نے فضائے آسمانی میں چڑیوں کی طرح اڑنا سیکھ لیا، اور پانی میں مچھلی کی طرح تیرنا سیکھ لیا مگر ابھی تک آپ کو زمین پر آدمیوں کی طرح چلنا نہیں آیا تو آج مغربی قوموں کا حال یہی ہے بیشک انھوں نے ترقی کی ہے لیکن ان کو اپنی منزل معلوم نہیں۔

بنیادی حقیقت

اصلی اور بنیادی حقیقت یہ ہے کہ انسان کیا ہے؟ اور انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انسان کس طرح زندگی گذار سکتا ہے؟ اس معاملہ میں یہ قومیں بالکل مفلس ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج یہ تمام فتوحات بچوں کا کھیل ہو کر رہ گئیں مغربی تہذیب ایک ڈرامہ کھیل رہی ہے، جیسے کہ شکسپیر کے ڈرامے ہوتے تھے ہم اور آپ تماشائی ہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ واہ واہ کیا ہوا میں اڑے اور کیا پانی پر چلے لیکن ہوا کیا؟ انسان نے کتنی ترقی کی؟ انسانیت نے کتنی ترقی کی؟ دنیا میں امن کتنا پھیلا؟ محبت و بھائی چارہ کتنا عام ہوا؟ ایک دوسرے سے کتنا قریب ہوا؟ انسان نے انسان کو کتنا پہچانا؟ دل کتنے روشن ہوئے؟ قلب کو سکون کتنا حاصل ہوا؟ انسان کو اپنی منزل کا کتنا پتہ چلا؟

انسان کے اخلاق درست ہوئے یا نہیں؟ اس کے اندر جو خراب اخلاق تھے، دوسرے کو پچھاڑنا اپنے بچوں کو پالنا، دوسرے کے گھروں کو لوٹ کر اپنا گھر بھرنا، دوسروں کی جیب کاٹ کر اپنی جیب بھرنا، دوسروں کو ذلیل اور غلام بنا کر خوش ہونا اور اپنی فتح کے جھنڈے اڑانا اس میں کتنی کمی آئی ان قوموں نے اس دنیا کو منڈی سمجھ لیا ہے یا اقبال کے الفاظ میں ایک قمار خانہ اور جوا خانہ سمجھ لیا ہے، اور اس کے نتیجے میں دو دو جنگیں پہلی اور دوسری جنگ عظیم ہوئیں میں پوچھتا ہوں کہ آخر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ ان ساری فتوحات سے انسانیت کو کیا حاصل ہوا؟ میں بالکل حقیقت پسند اور عملی آدمی کی طرح آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس سے انسانیت نے اپنا اصلی سفر کتنا طے کیا اور دنیا کو کیا امن وسکون حاصل ہوا، اور انسان نے اپنے حقیقی مقصد میں کتنی کامیابی حاصل کی؟ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ قوموں کی باہمی عداوتیں کم نہیں ہوئیں بلکہ ایسی شدید ناانصافیاں ہو رہی ہیں، جیسے کہتے ہیں ہاتھی نگل جانا، ایک فلسطین کا مسئلہ لیجئے زبردستی ترقی یافتہ قوموں نے اس سرزمین کے اصلی رہنے والوں کو جلا وطن کر کے ایک ایسی قوم کو وہاں لا کر بسایا اور ان کو وہاں بسنے اور اس کو اپنا قومی وطن بنانے کا موقع دیا جو سیکڑوں نہیں ہزاروں برس سے اس ملک سے باہر ٹھوکریں کھا رہی تھی اور مختلف ملکوں میں جا کر بس گئی تھیں، ان کو لا کر عربوں کی چھاتی پر سوار کر دیا اور بار بار دنیا کے ضمیر سے حق وانصاف کی اپیل کے باوجود دنیا کی عدالت سے آج تک انصاف نہیں ہو سکا، جس دنیا میں فلسطین جیسا واقعہ پیش آ جائے ایسی صریح ناانصافی اور کھلی دھاندلی کی جائے کیا پھر اس کے بعد بھی

یہ ترقی یافتہ دنیا کہی جا سکتی ہے؟ پھر آج یہ امریکہ اور روس اور آپ کا برطانیہ ان میں سے کسی کو یہ ہمّت نہیں کہ کھڑے ہو کر حق سمجھ کر یہ کہے کہ عربوں کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے، اور ہم بالکل صریح ظلم کر رہے ہیں، اور کیا آج برطانیہ میں انگلیوں پر گنے جانے والے بھی ایسی ہمّت والے ہیں، جو کہیں کہ ہم نے عربوں سے جو وعدے کئے تھے، وہ بالکل بھلا دیئے اور یہ ایک ایسی بداخلاقی ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، ایسی کھلی ہوئی ناانصافیاں قوموں کے ساتھ، ملکوں کے ساتھ، بلکہ پوری انسانیت کے ساتھ ہو رہی ہیں، اور انسانیت کے ساتھ نہایت خطرناک کھیل کھیلا جا رہا ہے، یعنی وہ تخریبی طاقتیں تیار کی جا رہی ہیں، اور ان میں ایک دوسرے سے مقابلہ اور ریس ہے، جو ساری دنیا کو ایک گھنٹے میں نہیں چند منٹ میں ختم کر سکتی ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ امریکہ کے پاس وہ ذرائع ہیں جن سے ایک گھنٹے میں پانچ چھ مرتبہ ساری دنیا تباہ ہو سکتی ہے، روس کے پاس اتنے نہیں تو اس سے کچھ کم کیا ہے اور اب تو چین نے بھی بنا لئے ہیں، برطانیہ اور فرانس کے پاس بھی موجود ہیں، یعنی آگ کا کھیل شروع ہو گیا ہے، ابھی تک تو بچوں نے ہوا میں پتنگ (کنکوے) اڑائے تھے، یہ ان کے ہوائی جہاز اور فضائی فتوحات تھیں لیکن اب انھوں نے آگ اور آتش بازی کا کھیل شروع کر دیا ہے کسی ظالم نے ان کے ہاتھ میں چھرے اور ریزر دے دیئے ہیں، جن سے وہ ایک دوسرے پر حملہ کر رہے ہیں، خدا جانے کس وقت کون کس کا گلا کاٹ دے۔

اگر ہم یورپ سے کچھ لے سکتے ہیں تو اس سے بہتر دے بھی سکتے ہیں

آپ جن قوموں سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا ایک معیار ہے، ایک مقصدِ زندگی ہے،

کچھ عقائد ہیں، ان کے سامنے ایک منزل ہے وہ اس مغربی تہذیب پر کبھی مطمئن نہیں ہو سکتے، بیشک آپ اہل مغرب سے علوم حاصل کیجئے ان کی زبانوں میں مہارت پیدا کیجئے یہاں آکر تاریخ کا وسیع مطالعہ کیجئے، میں یہاں تک بھی آپ سے کہہ سکتا ہوں کہ اسلامی علوم کے بارے میں آپ ان کے نظریات معلوم کیجئے، اس سے بھی آپ فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن آپ یہ نہ سمجھئے کہ یہ امام برحق ہیں، اور آخری مثال ہیں، انسانیت اور دنیا ان کی رہنمائی کے بغیر رہ نہیں سکتی، اور مشرق کی جاہل نیم وحشی اور پسماندہ اقوام کے لئے یہ فرشتۂ رحمت ہیں، انھوں نے ہم کو سکھایا پڑھایا اور آدمی بنایا، اگر آپ ایسا سمجھیں گے تو اس سے بڑھ کر آپ کا اپنے اوپر اور جن سے آپ کا انتساب ہے کوئی ظلم اور اپنی قوموں اور اپنی تاریخ کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہوگی، آپ بیشک ان سے وہ چیزیں لیجئے جو آپ کو وہاں نہیں مل سکیں لیکن آپ یہاں رہتے ہوئے بھی یہ سمجھئے کہ یہ بہت سی چیزوں میں کھو کھلے ہیں، اور جیسے ہم ان سے بہت سی چیزیں سیکھ سکتے ہیں، یہ بھی ہم سے بہت سی چیزیں سیکھ سکتے ہیں، اگرچہ اس کا فیصلہ اس وقت نہیں ہو سکتا اور شاید آپ کے لئے اس کا سمجھنا اور اس سے اتفاق کرنا آسان نہ ہو کہ آیا وہ چیزیں جو یہ ہماری مشرقی قوموں (مسلمانوں) سے سیکھ سکتے ہیں زیادہ قیمتی ہیں، یا وہ چیزیں جو ہم ان سے سیکھ سکتے ہیں؟ ہم جو چیزیں ان سے سیکھنے آئے ہیں وہ زیادہ قیمتی اور اہم ہیں یا وہ چیزیں جن کو سیکھنے کے لئے انھیں ہمارے پاس آنا چاہیئے؟ میں اس وقت اس نکتہ پر زیادہ اصرار نہیں کروں گا آپ یہی مان لیں کہ جو چیزیں ہم ان کو سکھا سکتے ہیں، وہ زیادہ قیمتی اور اہم ہیں اور جو چیزیں ہم ان سے سیکھتے ہیں، وہ بہت غیر اہم اور حقیر ہیں، لیکن میں اس موقع پر

انشاءاللہ ضرور کہوں گا کہ دو چیزیں ہم ان سے سیکھ سکتے ہیں تو دو چیزیں ہم ان کو سکھا بھی سکتے ہیں، اور یہ بھی میں بہت نیچے اتر کر کہہ رہا ہوں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دو چیزیں ہم ان سے سیکھ سکتے ہیں تو چار چیزیں ہم ان کو سکھا سکتے ہیں، اس لئے کہ آپ جو ان کو دے سکتے ہیں اس سے ان کی زندگی یہاں بھی کامیاب ہو سکتی ہے، اور آخرت میں بھی (اس پر ہمارا عقیدہ ہے، اور عیسائیوں کا بھی عقیدہ ہے) کامیاب ہو سکتی ہے، اور یہ جو ہم کو دے رہے ہیں، اگر یہ نہ ملے تو زیادہ سے زیادہ ہمارا سفر ذرا دیر میں طے ہوگا، ہم کو تھوڑی دقتیں ہوں گی ہمارا وقت ذرا زیادہ صرف ہوگا، یہ حاصل ہے ان کے دین کا اور وہ نتیجہ ہے ہمارے دین کا، اب آپ انصاف کیجئے کہ ہماری دین بڑھی ہوئی ہے یا ان کی؟

اس دنیا کی فلاح وسعادت اور تباہی وہلاکت

انسان کے ساتھ وابستہ ہے

یہ تقریر لکھنؤ کے سالانہ تبلیغی اجتماع منعقدہ ۲۱/دسمبر ۱۹۶۹ء میں کی گئی اور "ندائے ملت" میں شائع ہوئی ترمیم و نظر ثانی کے بعد اب کتاب میں شامل کی جا رہی ہے۔

اس دنیا کی فلاح وسعادت اور تباہی وہلاکت انسان کے ساتھ وابستہ ہے

عالمگیر فساد

دوستو اور بھائیو! اس وقت تمام دنیا میں سخت اختلاف ہے، روزمرہ کی جو حقیقتیں سورج کی طرح روشن ہیں، اور جن میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، ان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، کوئی دعویٰ ایسا نہیں جس کی ہر جگہ سے ہر ادارہ سے اور ہر مکتبِ خیال سے تائید ہو، ایسی کوئی حقیقت نہیں جس پر سب کے سب متفق ہوں، لیکن ایک بات ایسی ہے جس کی تائید آپ ہر طرف سے سنیں گے اور جہاں جائیں گے، اس کی صدائے بازگشت پائیں گے وہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں ایک عالمگیر فساد برپا ہے، اور ایسا بگاڑ ہے جس سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے، یہاں تک کہ جو ملک اپنی مادی ترقی کے نقطۂ عروج پر پہونچ گئے ہیں، وہاں بھی اگر آپ جائیں گے تو اسی کا رونا پائیں گے، کوئی مجلس کوئی جلسہ، کوئی کتاب، کوئی مباحثہ، کوئی مذاکرہ، کوئی غور وفکر کا حلقہ اس سے خالی نہیں، دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کر جایئے، ہر جگہ آپ اسی کا شکوہ پائیں گے کہ بگاڑ بہت پھیل گیا ہے، اور دنیا میں ایک عالمگیر فساد برپا ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس پر قریب قریب اس وقت دنیا کے تمام سوچنے اور سمجھنے والے،

یہاں تک کہ جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، وہ بھی متفق ہیں، جو کتابوں کے پڑھنے والے ہیں، وہ کتابوں کے واسطہ سے جانتے ہیں، جن لوگوں کو اس کا اتفاق نہیں ہوتا، یا اس کی فرصت نہیں ملتی، ان کے کانوں میں بھی یہ بات پڑتی رہتی ہیں، ہمارا ملک ہو یا کوئی باہر کا ملک، یورپ ہو یا امریکہ، افریقہ ہو یا ایشیا، اور یہاں تک کہ وہ سرزمین جو خیر و برکت کی سرزمین ہے، وہاں بھی اگر آپ جائیں گے تو اس کا احساس عام پائیں گے۔

یہ ایک ایسی الجھی ہوئی ڈور ہے جس کا سرا کسی کو نہیں ملتا، بگاڑ تو ضرور ہے لیکن بگاڑ کا سبب کیا ہے، اور جس قدر اس ڈور کو سلجھانے کی کوشش کی جاتی ہے وہ الجھتی ہی چلی جارہی ہے، اس لئے کہ سرا ہاتھ میں لینے، اور سرا تلاش کرنے کا جو فطری طریقہ ہے، اور جو خدا نے پیدا کیا وہ کھو گیا ہے، اور اس کی کسی کو خبر نہیں۔

دنیا کی فلاح و سعادت اور تباہی و ہلاکت انسان کے ساتھ وابستہ ہے

حقیقت یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق اور ان سب لوگوں کے عقیدہ کے مطابق جو خدا کے وجود پر یقین رکھتے ہیں، اور خدا کی صفات کا کوئی نہ کوئی تصور ان کے اندر پایا جاتا ہے، وہ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی اصلاح اور اس دنیا کا فساد اس دنیا کی سعادت اور اس دنیا کی شقاوت اور اس کا بناؤ بگاڑ، اس کی خوش حالی اور اس کی بربادی سب کو انسان کے ساتھ وابستہ کیا ہے، انسان اگر اچھا ہے تو یہ دنیا اچھی ہے، اور اگر انسان بگڑا ہوا ہے، راستہ چھوڑ چکا ہے، خود کشی پر آمادہ ہے، تباہی و بربادی پر کمر بستہ ہے، اس کو اپنی قیمت

معلوم نہیں، وہ خدا کو بھول چکا ہے، اور اس کے نتیجہ میں اپنے کو بھی بھول چکا ہے اس کو اپنے آغاز و انجام کی خبر نہیں یا فکر نہیں تو پھر اس دنیا کے بگاڑ کو کوئی روک نہیں سکتا، اور اس بگڑی ہوئی دنیا کو بنا نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ کی ذات غنی ہے، وہ انسان کا محتاج نہیں لیکن اس نے ایک قانون مقرر کر دیا ہے، یہ سنت الٰہی ہے، اور سنت الٰہی کبھی تبدیل نہیں ہوتی (وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا) قرآن شریف میں بار بار یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قانون جس کے لئے بنا دیا، جس میں جو خواص رکھ دیئے، ہزاروں لاکھوں برس گذر جانے کے بعد بھی وہ خواص ان کے اندر پائے جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا قانون اسی طرح سے جاری و ساری اور کار فرما ہے جیسے ہزاروں برس پہلے تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے اپنے ارادہ و اختیار سے، اپنی قدرت سے دنیا کی سعادت و شقاوت کو انسان کے ساتھ وابستہ فرما دیا ہے، خدا کا یہ قانون ہے کہ یہ دنیا انسان کے دم سے ہے، انسان اچھا ہے تو یہ دنیا اچھی ہے، انسان اگر برا ہے تو یہ دنیا فساد کا گہوارہ ہے، آپ اگر تاریخ میں اس کا سراغ لگائیں گے، اور تاریخ کی تاریکیوں میں دور تک جائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا کا بگاڑ انسان کی وجہ سے ہے، انسان سرچشمہ ہے دنیا کی فلاح و سعادت کا، اور انسان سرچشمہ ہے دنیا کی تباہی و ہلاکت کا، اس لئے اصل چیز جس پر محنت صرف کرنے اور توجہ کرنے کی ضرورت ہے، وہ انسان ہے، اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی صحیح تربیت فرمائی، اور ان کو مامور فرمایا، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو عقل سلیم اور نبوت کا نور عطا فرمایا تھا، اس کی روشنی میں انھوں نے اس حقیقت کو پا لیا کہ اس دنیا میں جو کچھ ان کے

کرنے کا کام ہے، وہ انسان کی درستی ہے، اور انسان کی ہدایت ہے، راستے کو سمجھ لینا اور اس پر اپنی طاقت اور صلاحیتوں کو لگا دینا ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے اپنی ساری طاقت انسان کو سدھارنے پر صرف کی

انبیاء علیہم السلام نے اس حقیقت کو سمجھا، اللہ کی نصرت ان کے شامل حال تھی، اور ارادۂ الٰہی ان کی پشت پر تھا، اللہ تبارک و تعالےٰ کا فیصلہ تھا کہ ان کے ذریعہ سے اس گم کردہ راہِ انسانیت کو اور اس تباہ شدہ دنیا کو ایسا امن و سکون اور راحت عطا فرمائے گا کہ اس دنیا میں بھی انسان کو جنّت کا مزہ آجائے، اور اپنی زندگی ہی میں وہ جنّت کا مشتاق ہو جائے، اور اس دنیا میں اس کو انسان بن کر رہنے کا سلیقہ آجائے، اسی لئے انبیاء علیہم السلام نے ایک لمحہ تردد کئے بغیر اور ایک دن بھی تجربے کی ضرورت سمجھے بغیر جس وقت وحی کا پہلا حصہ ان پر نازل ہوا، انھوں نے ساری طاقتیں ایک موضوع پر صرف کردیں، اور وہ انسان تھا۔

یہ انسان خود ایک عالم ہے

لیکن خود انسان ایک عالم ہے، انسان کسی طرح سے اپنی وسعت میں اپنی گہرائی میں، اپنی پیچیدگی میں، اپنے تنوع میں، اپنے رازہائے سربستہ میں، اپنے تہ بتہ پردوں میں کسی طرح اس کائنات سے، سیاروں سے، نظامِ شمسی سے، نظامِ فلکی سے اور ہماری اس لمبی چوڑی دنیا سے کم نہیں، انسان تو اتنی وسیع مخلوق ہے جس کی تھاہ تک پہونچنا ہی ناممکن ہے جس طریقے سے آپ سمندر میں ایک سٹکی ڈالیں اور پتہ نہ چلے کہ

وہ کہاں گئی، انسان کی گہرائی اس سے بھی کہیں زیادہ ہے، اس کی تھاہ کو اس کا پیدا کرنے والا ہی جانتا ہے، (اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ، وَھُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ)

یہ انسان خود ایک عالم ہے، اس کو اللہ نے دماغ دیا ہے، اس کو اللہ نے دل دیا ہے، اس کو اللہ نے اعضاء و جوارح دیئے ہیں، اس کو اللہ نے مقاصد عطا فرمائے ہیں، بڑے دُور دَراز، بڑے بلند، اس کی کیا خواہشات ہیں، کیا کیا ضرورتیں ہیں، کیا کیا ارادے ہیں، اس کی کیا کیا تمنائیں اور آرزوئیں ہیں، غرض کہ اتنا بڑا جنگل ہے کہ بڑے سے بڑے محقق، اس میں گم ہو جائیں۔

انبیاء علیہم السلام کے سامنے جب انسان آیا، اور ان کو معلوم ہوا کہ اس انسان پر ان کو محنت صرف کرنی ہے، اور اس کو بنانا ہے تو اب ان کے لئے بڑا امتحان تھا، اگر اس موقع پر انسانی نفسیات کے ماہر ہوتے، بڑے بڑے مصلح و معلم ہوتے، بڑے بڑے مفکر و فلسفی ہوتے تو ہزاروں ٹھوکریں کھاتے، وہ انسان کی انسانیت کا سراغ لگانے کے لئے نکلتے اور اس کا سرا ڈھونڈھنے کے لئے وہ سفر شروع کرتے تو عمر گزر جاتی، بلکہ نسلیں گزر جاتیں اور ان کو اس کا سرا نہیں ملتا، یہ انسان ایک ایسی پہیلی ہے جس کا بوجھنا ہی مشکل ہے، خود انسان اپنی حقیقت سے واقف نہیں، اس کے سیکڑوں شعبے ہیں، کتنے شعبے ہیں، جو معلوم ہو چکے ہیں، اور کتنے شعبے ہیں، جو ابھی تک نامعلوم ہیں، انبیاء علیہم السلام کے ساتھ، اگر اللہ کی رہنمائی نہ ہوتی، اور اللہ کی نصرت شاملِ حال نہ ہوتی اور تقدیرِ الٰہی کا فیصلہ نہ ہوتا کہ اللہ کے آخری نبی ہی سے قیامت تک ہدایت کا کام لینا ہے، اور اس دنیا کا بگاڑ ان سے دور کرانا ہے، اور انسان کو اس کے خالق سے

ملانا ہے، اور انسان کے مقصد زندگی سے آگاہ کرنا ہے تو انسان کی ہدایت کا کام آسان نہ تھا۔

انسان کی اصلاح وتبدیلی کا مرکز

انسانیت کے محققین کی نسلیں گذر گئیں جو دماغ ہی کے اندر سرگرداں رہیں اور دماغ ہی کا سفر پورا نہیں کر سکیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی فرمائی کہ دنیا کی اصلاح وتبدیلی کا مرکز انسان ہے، اور انسان کی اصلاح وتبدیلی کا مرکز اس کا دل ہے، دل کہنے کو تو ایک نقطہ ہے لیکن اس کا بھی کوئی اور چھور نہیں، اس کی وسعت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے، یہ سارا عالم اس کا لقمہ بن سکتا ہے، یہ سارا عالم اس کے دل کی وسعتوں میں ایسا گم ہو سکتا ہے کہ پتہ ہی نہ چلے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت ورہنمائی فرمائی کہ انسان کے اندر خیر کا ارادہ پیدا ہو جانا، اپنی ہستی سے واقف ہو جانا اور ایثار کا مادہ اس کے اندر پیدا ہو جانا اور اغراض سے اس کا پاک ہو جانا اپنی اور دوسروں کی زندگی کو خدا کے رضا کے راستے پر ڈالنے کی کوشش کرنا تاکہ سب کے سب خدا کی رضا کے جویا بن جائیں اپنی شہوتوں اور خواہشات کی بندگی سے آزاد ہو جائیں اور ایک خدائے واحد کی بندگی میں لگ جائیں، اور ان پر ان کے معدے کی حکومت نہ ہو ان کے خواہشات کی حکومت نہ ہو ان کے سفلی مقاصد کی حکومت نہ ہو، وہ صرف اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ہاتھ پاؤں نہ ماریں اور اس دنیا کو صرف اپنے گھر کے اندر محدود نہ سمجھیں، اپنے چار بچوں والی، آٹھ بچوں والی دس بارہ افراد خاندان والی

دنیا نہ سمجھیں کہ ساری دنیا اسی ایک گھر کے اندر آگئی اور یہی میری دنیا ہے' یہیں مجھے مرنا اور جینا ہے' وہ اس قفس سے جس کی تیلیاں کہیں سونے کی ہیں کہیں لوہے کی' مگر بہر حال یہ ایک پنجرہ ہے' اس پنجرہ سے وہ آزاد ہو جائے اور آفاق کی وسعتوں سے آشنا ہو جائے (وَكَذٰلِكَ نُرِيْ إِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ) اس کو معلوم ہو جائے کہ میرا خالق کیا ہے' اس کی کیا صفات ہیں' اس کے پاس کیا ہے' اس سے کیا چیز مانگنی چاہئے' اس کے خزانے میں کیا کچھ ہے' اس کے خزانے سے مجھے کیا مل سکتا ہے' وہ کون سے اعمال ہیں' کون سے اخلاق ہیں' کون سے عقائد ہیں' کون سا طرزِ زندگی ہے جس سے میں خالق سے وہ نعمتیں حاصل کر سکتا ہوں جن کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا' (ما لاعين رأت، ولا أذن سمعت ولا خطر على قلب بشر۔ نہ کسی آنکھ نے اس کو دیکھا، نہ کسی کان نے اس کو سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا۔)

انسان کے اندر بے شمار درندے چھپے ہوئے ہیں
جب وہ باہر آجاتے ہیں تو دنیا تباہ ہو جاتی ہے

انسان ایک جنگل ہے' اس میں ہر طرح کے شیر' چیتے' اور درندے موجود ہیں' یہ نہ سمجھئے گا کہ یہ اُس کے باہر کی دنیا میں موجود ہیں' بلکہ در حقیقت یہ انسان کے اندر موجود ہیں' اور باہر ان کا ظہور ہے' انسان کے اندر کے شیر اور درندے' انسان کے اندر کے چیتے اور بھیڑیئے' انسان کے اندر کے کتے اور سور باہر کے کتے اور سوروں سے کہیں زیادہ خطرناک، کہیں زیادہ زہریلے، کہیں زیادہ خونخوار

اور کہیں زیادہ انسان کے خون کے پیاسے ہیں، اور ان کے اندر ان سے کہیں زیادہ خباثت ہے، یہ انسان کے اندر کے سانپ اور بچھو، جب سے باہر نکل آئے ہیں، تب سے دنیا تباہ ہوئی ہے۔

باہر کے درندوں نے کبھی دنیا پر حملہ نہیں کیا

باہر کے سانپ اور بچھوؤں نے دنیا کو کبھی تنگ نہیں کیا، آپ نے یہ کبھی تاریخ میں نہیں پڑھا ہوگا کہ سانپوں اور بچھوؤں نے اپنی تنظیم کی اور اپنے دشمنوں کے خلاف لشکر کشی کی، کبھی آپ نے یہ نہیں سنا ہوگا کہ ساری دنیا کے شیر اکٹھا ہو گئے، اور شیروں نے دنیا پر حملہ کر دیا، یہاں پر تاریخ کے بہت سے طالب علم ہیں، آپ نے کسی تاریخ میں یہ پڑھا کہ بھیڑیئے انسان سے لڑے ہوں یا بھیڑیئے بھیڑیوں سے لڑے ہوں، چھوڑ دیجئے انسان کو، لیکن کتنے بار آپ نے پڑھا اور پڑھتے پڑھتے آپ تنگ آگئے، اور پڑھنا تو بڑی دور کی بات ہے، ہماری اور آپ کی زندگی میں دو دو جنگیں پیش آئی ہیں، ہم میں سے بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے، جنھوں نے پہلی جنگ عظیم بھی دیکھی ہوگی، خواہ وہ اس وقت بچے رہے ہوں، یہ دونوں جنگیں کس نے کس کے خلاف لڑیں؟ خدا کے لئے یہ بتایئے کہ یہ سانپوں اور بچھوؤں کی لڑائی تھی انسان سے یا سانپوں اور بچھوؤں کی لڑائی تھی، سانپوں اور بچھوؤں سے، بچھو، بچھو سے لڑتا ہے، سانپ سانپ سے لڑتا ہے، بھیڑیا، بھیڑیئے کو کھاتا ہے، مگر بھیڑیوں نے کبھی اپنی تنظیم نہیں کی، بھیڑیوں نے کبھی اپنی صف آرائی نہیں کی۔

ایک ملک کے بھیڑیئے کبھی دوسرے ملک پر حملہ آور نہیں ہوتے

بھیڑیوں میں کبھی کوئی عصبیت پیدا نہیں ہوئی کہ ایک ملک کے بھیڑیئے دوسرے ملک کے بھیڑیئے سے لڑیں، لیکن انسانیت کی تاریخ میں ایک دن بھی آپ بتا سکتے ہیں کہ انسان نے انسان کے خلاف لشکر کشی نہ کی ہو، ایک ملک کا دوسرے ملک سے مقابلہ نہ ہوا ہو، یہاں تو شہر شہر کے خلاف لڑتے ہیں، محلّے، محلّے کے خلاف لڑتے ہیں، برادری، برادری کے خلاف لڑتی ہے، قومیں، قوموں کے خلاف لڑتی ہیں، لیکن جانوروں کے متعلق کبھی ایسا نہیں سنا گیا۔

انسان کے اندر کے یہ خونخوار جانور کب باہر نکلتے ہیں؟ خدا کے پیغمبروں نے جو حصار تعمیر کیا ہے، اور جس کے اندر یاجوج ماجوج کی طرح وہ بند ہیں انسانوں کے ان خونخوار جانوروں کو لگام دینے کے لئے، ان کے اس جذبے کو کچلنے کے لئے ان کو قابو میں رکھنے کے لئے، بلکہ ان کو انسانوں میں تبدیل کرنے کے لئے اللہ کے پیغمبروں کے پاس ایک نسخہ ہے، جب انسان اس سے سرکشی کرتا ہے، یا اس نعمت کی ناقدری کرتا ہے، تو انسانوں کے اندر جو درندے ہیں، یہ باہر نکل آتے ہیں، اور پوری دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔

جب انسان انسان کا شکار کھیلنے لگتا ہے، جب انسان، انسان کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے تو کیا ہوتا ہے، یہ آپ کے سامنے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دوسری توفیق یہ تھی کہ اس نے ان کو یہ سمجھ عطا فرمائی کہ انسان کے دل پر اپنی وہ ساری طاقتیں لگا دیں، حدیث شریف میں آتا ہے!

"ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله، واذا فسدت فسد الجسد کله، الا وھی القلب" (انسان کے اندر ایک مضغہ گوشت ہے، ایک حقیر سا ٹکڑا ہے، انسانی گوشت کا، اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جائے، وہ بگڑ جائے تو سب بگڑ جائے، یاد رکھو وہ دل ہے) اس لئے انھوں نے دل پر اپنی طاقت صرف کی، انھوں نے اس حقیقت کو پالیا کہ وسائل اور ارادے، ذہانتیں، طاقتیں، کائنات کے سارے خزانے، روپیہ پیسہ اور دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی نعمتیں پیدا کی ہیں، اور جتنے بھی فائدہ پہونچانے اور نقصان پہونچانے والے ذرائع پیدا کئے ہیں، وہ سب انسان کے ارادے کے تابع ہیں، انسان کے اندر خیر کا ارادہ پیدا ہو جائے تو اگر وسائل نہ ہوں گے تو وہ وسائل پیدا کرے گا، اور اللہ اس کے لئے وسائل پیدا فرمادے گا، اگر انسان کی طبیعت کا رخ صحیح ہو جائے، اگر انسان خیر کا طالب ہو، اگر انسان انسان کی فلاح چاہنے والا ہو، اگر انسان، انسان کو نفع پہونچانے کا خواہشمند ہو، اگر انسان، انسان کا خادم بن جائے، اگر انسان اپنے اغراض سے پاک ہو جائے، اگر انسان، اپنی ہستی کو دوسرے کے لئے مٹانا چاہے، دوسرے کے زندہ رہنے کے لئے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے کی ہمت رکھتا ہو اور اس دنیا سے بدامنی کو دور کرنا چاہے، اس دنیا سے نفرت کو دور کرنا چاہے، اس دنیا کو امن سے خوش حالی سے، اللہ کی محبت سے، انسان کے قدر سے، انسانی جان کی قیمت کے احساس سے بھر دینا چاہے، تو پھر وسائل نہ ہوں گے تو بھی وہ اتنا بڑا کام انجام دے گا، جو بڑے سے بڑے وسائل کے ساتھ آج تک نہ انجام پایا ہے،

نہ انجام پاسکتا ہے، اصل چیز ہے، انسان کا ارادہ، اگر وہ ارادہ صحیح ہوجائے اور اس کا سرچشمہ صحیح ہوجائے جہاں سے وہ ارادہ نکلتا ہے، تو سب کچھ درست ہوجائے۔

ساری خرابیوں کا انحصار اس پر ہے کہ انسان کے دل میں کیا ہے؟

ہمارے اس ہاتھ میں اللہ نے بڑی طاقت رکھی ہے، لیکن یہ ہاتھ خود کوئی چیز نہیں، اس کی کوئی ہستی نہیں، یہ ہاتھ مظلوم پر ظلم کے لئے اٹھ سکتا ہے، ظالم کی مدد کے لئے اٹھ سکتا ہے، اٹھ کیا سکتا ہے، اٹھتا رہتا ہے، اور آج تو صرف اسی کے لئے اٹھ رہا ہے، آج ساری انسانی توانائیاں اور اس کی ساری طاقتیں ظلم کے لئے وقف ہیں، اور یہ کوئی انہونی اور بعید از قیاس بات نہیں، جب انسان کا دل بدل جائے، انسان کے دل میں اور اس کی نیت میں فتور آجائے، اور اس کے دل کے اندر انسان کی دشمنی گھر کر جائے، اس کو انسان کے خون کی چاٹ لگ جائے تو اس کا ہاتھ یتیم کا سر قلم کرنے کے لئے، بیوہ کے سر سے آخری دوپٹہ یا اس کے چہرے کو چھپانے کے لئے، اس کی آبرو کی حفاظت کے لئے جو آخری سہارا رہ گیا ہے، اس کو چھین لینے کے لئے، غریب و مفلس کے فاقہ زدہ گھر سے جس کو ہفتوں کے بعد چند دانے پکانے کے لئے اپنا اور اپنے یتیم بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ملے ہیں، یہ چند دانے اور اس کے چولھے، تو اٹھا لینے اور اس کی آگ کو گل کر دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے لیکن مسئلہ صرف ہاتھ کا نہیں، بلکہ اس کا اور اس طرح کی ساری خرابیوں کا انحصار اس پر ہے کہ انسان کے دل میں کیا ہے؟ اس کا ارادہ کیا ہے؟

کیا انسان کے اندر خیر کی طلب پیدا ہو گئی؟ کیا اس کے اندر خوف پیدا ہو گیا، کیا انسانیت کی حقیقت اس پر کھل گئی؟ کیا انسان کو ہستی کا آغاز و انجام معلوم ہو گیا بس سارا انحصار اسی پر ہے۔

انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے جتنی زرخیزی رکھی ہے، اور اس کے اندر سونا اگلنے کی جو صلاحیت رکھی ہے، اس کے سامنے سائبیریا کے میدان، اور ہندوستان کی سرسبز و زرخیز زمین ہیچ ہے، اگر اس کے اندر نیک ارادوں کے اگنے، پھلنے پھولنے اور پرورش پانے کی صلاحیت پیدا ہو گئی، اور انسان کے سفلی اغراض و مقاصد اور اس کی سفلی خواہشات کھاد بننے کے لئے تیار رہے تو انسان ان کو کھاد بنا کر اپنے دل کی سرزمین سے نیک ارادوں کی کھیتی پیدا کر سکتا ہے، اور یہ کھیتی پھل دے سکتی ہے، پک سکتی ہے، اور کاٹی جا سکتی ہے لیکن اگر یہ دل کی سرزمین اُوسر اور بنجر ہو گئی ہے تو اس کے اندر کانٹے تو پیدا ہو سکتے ہیں، پھول پیدا نہیں ہو سکتے، اس کے اندر تلواریں تو اُگ سکتی ہیں لیکن امن دینے والی چھاؤں نہیں پیدا ہو سکتی، انسان کے دل کی کھیتی ایسی منحوس بن گئی ہے، ایسی الٹی ہو گئی ہے کہ اس کے اندر زہر تو پیدا ہو سکتا ہے، تریاق نہیں پیدا ہو سکتا، بدامنی تو پیدا ہو سکتی ہے، امن پیدا نہیں ہو سکتا، نفرت تو پیدا ہو سکتی ہے، محبت نہیں ہو سکتی، اپنے بچوں کو پالنے کے لئے یتیموں کا پیٹ پھاڑنے کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے، لیکن کسی بے کس، کسی مظلوم اور کسی مصیبت زدہ کی حفاظت اور کسی یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھنے کا جذبہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

اگر یہ دنیا جنّت کا نمونہ بنا دی جائے لیکن دل خراب ہے تو پھر یہ جہنّم کدہ بن جائے گی

اگر انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ اس کی پیاس شربت سے نہیں بجھتی، دودھ سے نہیں بجھتی (جس کو اللہ نے "لبنا خالصًا سائغًا للشاربین" کہا ہے) اس کی پیاس ٹھنڈے میٹھے پانی سے نہیں بجھتی (جس کو قرآن "ماءً فراتًا" لکھتا ہے) اس کی پیاس دجلہ و فرات کے پانی سے نہیں بجھتی، بلکہ اس کی پیاس انسان کے خون سے بجھتی ہے، ایسی حالت میں اگر یہ چاند اور دوسرے سیارے جن تک پہونچنے اور وہاں کی آب و ہوا اور وہاں کی سطح اپنے مناسب بنانے میں انسان اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہا ہے، یہ چاند مریخ اور دوسرے سیارے زمین پر اتر آئیں، انسان کے قدموں کے نیچے آجائیں اور یہ ساری دنیا جنّت کا نمونہ بنا دی جائے لیکن انسان کے دل کی کھیتی خراب ہے اور اس سے خیر پیدا کرنے کی صلاحیت جاتی رہی ہے تو یاد رکھو انسان کی تقدیر میں تباہی ہی تباہی لکھی ہوئی ہے، اس کی حالت کبھی سدھر نہیں سکتی، اور یہ دنیا انسانوں ہی کے ہاتھوں پھر جہنم کدہ بن جائے گی۔

دل کی کھیتی کی طرف توجہ کیجئے

حضرات! دنیا میں ہر طرف پھیلے ہوئے فساد کو، بدامنی کو سروں پر منڈلاتے ہوئے مہیب جنگ کے خطرہ کو دور کرنے کے لئے اور انسان کو امن و سکون

اور باہمی اعتماد و محبت کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے دل کی کھیتی میں ہل چلایا جائے، آپ کسانوں کو دیکھتے ہیں، خدا کے بنائے ہوئے صحیح اور فطری قانون کے مطابق کسان زمین میں ہل چلاتا ہے، تو زمین کتنا خزانہ اگل دیتی ہے، اسی طرح اگر دل کی کھیتی میں ہل چلایا جائے، اور خدا کے پیغمبروں کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق چلایا جائے اور اس میں تھوڑی سی محنت صرف کی جائے اور یہ دل کی کھیتی لہلہا اٹھے اور پھلنے پھولنے لگے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس وقت دنیا کا نقشہ کیا ہوگا؟ یہ حقیر زمین جو آپ کے قدموں تلے روندی جاتی ہے، اس سے آپ نے اتنا بڑا فیض پایا، اگر آپ دل کی کھیتی میں خدا کے دیئے ہوئے ہل چلاتے، اور ان کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق آپ اس کی خدمت کرتے اور اس میں ریاض کرتے اور وہ کھیتی برگ و بار لاتی، تو پھر آپ دیکھتے کہ دنیا میں کیسی بہار آئی ہے، اور جب دل کی کھیتی خزانہ اگلتی تو دنیا کا دامن کیسے کیسے موتیوں سے بھر جاتا، کیسے کیسے ولی کامل، کیسے کیسے خادم انسانیت، کیسے کیسے بے لوث و بے غرض انسان، اور انسانوں کے لئے اپنا خون پانی ایک کرنے والے سامنے آتے کہ جن کے کارناموں کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔

جب دل کی دنیا بدلتی ہے تو کیا ہوتا ہے؟

کوئی باور نہیں کر سکتا کہ کیا انسان کے اندر اتنی بے غرضی پیدا ہو سکتی ہے، کیا انسان دوسروں کی خاطر اپنی اولاد کو قربان کر سکتا ہے، کیا انسان وعدہ وفا کرنے کے لئے اپنا گھر لٹا سکتا ہے، ایک مظلوم کو بچانے کے لئے اپنے سارے کنبے کو موت کے

گھاٹ اتار سکتا ہے، ایک انسان خود زخمی ہے اور پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے ہیں، مر رہا ہے، پھر بھی دوسرے زخمی کی پیاس بجھانے کے لئے اپنا پانی پیش کر سکتا ہے، دنیا کی عقل اس کا تصور کرنے سے بھی عاجز ہے، یہ سب کرشمہ تھا خدا کے پیغمبر کی محنتوں کا، انھوں نے دل کی کھیتی پر صحیح طریقے سے محنت کی اور اس کے اندر اللہ کے رکھے ہوئے مخفی خزانوں اور دفینوں کو نکالا اور عالم انسانیت کو اس سے مالا مال کر دیا۔

خدا کے پیغمبروں نے اس زمین کو چھوڑا، بڑے بڑے ماہرین کو چھوڑا کہ وہ صنعتوں کو ترقی دیں، نہ ان کو روکا نہ ان کی رہنمائی کا دعویٰ کیا، بلکہ انھوں نے صاف کہہ دیا "أنتم أعلم بأمور دنياكم" صنعت والے صنعت کے میدان میں ترقی کریں، زراعت والے زراعت کے میدان میں اور علم والے علم کے میدان میں، اللہ نے ہم کو ایک اور میدان دیا ہے، وہ انسانیت کا میدان ہے، اور انھوں نے اس میدان میں محنت صرف کی تو دنیا کا نقشہ کیا سے کیا ہو گیا، صرف ایک دور کی تاریخ پڑھئے، صحابۂ کرام کے دور کی، جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے یہ موقع دیا کہ وہ دل کی سرزمین میں کھیتی کریں تو آپ دیکھئے کہ اس دنیا میں کیسی بہار آئی۔

ارادہ نیک ہو تو راہ کی صعوبتیں اور دشواریاں حائل نہیں ہوتیں

اس وقت ہزاروں مشکلات تھیں، تمدن اپنے بالکل ابتدائی دور میں تھا، انسانیت نے بہت سے میدانوں کا انکشاف ہی نہیں کیا تھا، سائنس نے

گویا اپنا سفر ہی شروع نہیں کیا تھا، قدم قدم پر رکاوٹ تھی سفر کی دشواریاں تھیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ آدمی کے پہونچنے کے لئے سخت مشکلات درپیش تھیں، لیکن جب نیک ارادہ پیدا ہوا اور ان کے اندر انسانوں کو خدا کا پیغام پہونچانے کا انسانوں کو تاریکی سے نکالنے کا، اور ترحم کا سچا جذبہ پیدا ہوا کہ انسان اپنی ہستی کو کس طرح خاک میں ملا رہا ہے اور ان کو اپنی آنکھوں سے صاف نظر آیا کہ جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں، اور انسان اس میں چھلانگ مارنا چاہتے ہیں، جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ میری اور تمھاری مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے آگ روشن کی اور پروانے اس میں گرنے لگے، وہ ہٹاتا ہے، مگر ہٹا نہیں پایا، پروانوں کی طرح لوگ اس میں کودنے اور چھلانگ مارنے کے لئے تیار ہیں، اور میں تمھاری کمر پکڑ پکڑ کر تمھیں اس سے ہٹانا چاہتا ہوں جب صحابۂ کرام پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی تو پھر سفر کی صعوبتیں اور اس کی دشواریاں ان کی راہ میں حائل ہوئیں، اور نہ اس وقت کی دقتیں اور سفر کی طوالت، راستوں کے خطرات، ان میں سے کوئی چیز بھی، ان کے عزم کے سامنے نہیں ٹک سکی، اس لئے کہ ایک تو نیک ارادہ پیدا ہوا، دوسرے یہ کہ وہ ارادہ ان پر مستولی ہوگیا، ان کے اعصاب پر اور ان کے دل و دماغ پر چھا گیا، اب ان کو کھانا پینا مشکل ہوگیا وہ لقمہ توڑتے تھے اور کہتے تھے کہ میں لقمہ توڑتا ہوں اور اللہ کے ہزاروں بندے بالکل (علی شفا حفرۃ من النار) جہنم کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں، جتنی دیر میں لقمہ منھ میں رکھوں گا اور اتاروں گا، اتنی دیر میں کتنے خدا کے بندے جہنم کے گڑھے میں گر پڑیں گے۔

آج ہر چیز موجود ہے لیکن انسانیت کا سچا درد مفقود ہے

آج کس چیز کی محتاجی ہے، کیا چیز دنیا سے کھو گئی ہے، خدا کے لئے غور کیجئے، کیا چیز اس وقت دنیا کے ہاتھ میں نہیں ہے؟ نیک ارادہ نہیں، انسان کی قدر نہیں، انسانیت کی فکر نہیں، خطرات ہمارے سر پر منڈلا رہے ہیں، ان کی کسی کو پروا نہیں، اپنی اپنی تو فکر ہے، لیکن کسی کو عام انسانیت کی فکر نہیں، اگر تیسری جنگ عظیم چھڑ گئی اور یہ ہائیڈروجن بم، اور ایٹم بم چلا دیئے گئے تو دنیا کا کیا حشر ہوگا، باتیں تو اس کی بہت کی جا رہی ہیں، چرچے تو اس کے ہر طرف ہیں، لیکن کسی کو اس کا سچا درد نہیں ہے، اور جو لوگ کچھ کر سکتے ہیں، اور انسانیت کو بچا سکتے ہیں، وہ سب سے زیادہ ان وسائل کی تیاری میں منہمک ہیں، یہ سمجھ لیجئے کہ نئی جنگ کے لئے ساری قومیں اور دنیا کی ساری طاقتیں پر تول رہی ہیں، اور ساری دنیا میں جو کچھ ریس ہے وہ اسی کی ہے، کسی کو بدی سے نفرت نہیں، کسی کو انسان کی تباہی کا غم نہیں، جو حقیقی دکھ اور صدمہ ہونا چاہیئے، جیسے باپ کو اولاد کا صدمہ ہوتا ہے، بھائی کو بھائی کا صدمہ ہوتا ہے، وہ صدمہ کسی کو نہیں، صرف زبانی باتیں ہیں، امریکہ سے لے کر آپ ایشیا کے آخری سرے تک چلے جایئے آپ کو ہر جگہ باتیں ملیں گی، لیکن اس کے اندر درد مفقود ہے، جو درد کراہ اور کسک ہوتی ہے، وہ کسی میں آپ نہیں پائیں گے، اس میں سارا حصہ عقل کا ہے، سارا حصہ ذہانت کا ہے، دنیا کے خطرات سے واقفیت اور اس کی تحلیل اور تجزیہ ایسا کریں گے

کہ معلوم ہوگا کہ جیسے کسی معمل میں کسی چیز کے الگ الگ اجزاء کیے جاتے ہیں، بالکل ہندی کی چندی کر کے آپ کو بتا دیں گے کہ کیا خطرہ درپیش ہے لیکن اس کے اندر جو انسانیت کا درد ہے، یا دل کی کسک ہے، وہ نہیں ہوتی جیسے آدمی اپنے گھر کا کوئی واقعہ بیان کرتا ہے تو اس کا لہجہ اور ہوتا ہے آنسو اس کی آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوئے ہوتے ہیں، آواز مرتعش ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دل رو رہا ہے۔

آج دنیا کے بڑے بڑے فلسفی نہایت اطمینان سے دنیا کے خطروں کو بیان کرتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ کوئی بہت خوش آئند بات ہو، کوئی مبارک واقعہ ہو جس کو مزہ لے لے کر بیان کیا جائے اس لئے کہ انسانیت سے کسی کو حقیقی اور قلبی تعلق نہیں ہے سب زبانی باتیں اور دماغی تعیشات ہیں۔

آج دنیا کی ساری کمی پوری ہو چکی ہے کرنے کو سب کچھ ہمارے پاس ہے، اگر ہم نیک بننا چاہیں، اگر ہم انسان کی خدمت کرنا چاہیں اگر ہم انسان کو ان خطرات سے نکالنا چاہیں، اگر ایک فرد بھی قطب شمالی یا قطب جنوبی میں ہے، ہم اس کی مدد کرنا چاہیں تو اللہ نے ہم کو وہ وسائل دیئے ہیں کہ ہم ان کی مدد کو پہونچ سکتے ہیں لیکن ہمارے اندر سچا ارادہ نہیں ہمارے اندر اس کا شوق نہیں، ایک شخص کے پاس سب کچھ ہے، وہ لاکھوں روپے سے مدد کر سکتا ہے لیکن وہ خسیس ہے بخیل ہے اس کو پیسے کی محبت ہے، یا سست ہے اور کاہل الوجود ہے، وہ بالکل ہاتھ ہلانا نہیں چاہتا تو بتایئے اس کی دولت کیا کام آئے گی، ایک شخص حج کو جا سکتا ہے، خدا نے اس کو ایسے ذرائع دیئے ہیں لیکن حج کا ارادہ نہیں ہے حج کا شوق نہیں، تو بتایئے پھر کون اس کو حج پر آمادہ کر سکتا ہے۔

آج انسان سب کچھ کرسکتا ہے لیکن کرنا نہیں چاہتا

اسی طرح آج انسان کے نیک بننے اور انسان کی خدمت کرنے اور اس دنیا کو امن کا گہوارہ بنادینے، اس دنیا کو جنت کا نمونہ بنا دینے اور اس دنیا کو مسجد و معبد میں تبدیل کر دینے کا جیسا زریں موقع، جیسا آسان راستہ اس وقت ہے ایسا کبھی نہیں تھا، آج بد قسمتی سے انسان سب کچھ کرسکتا ہے لیکن کرنا نہیں چاہتا، کیوں نہیں چاہتا؟ کرنے کا فائدہ اس کے سامنے نہیں، فائدہ کیوں سامنے نہیں اس کو یقین نہیں سوائے اپنی آسائش کے سوائے اپنے معدے کے تجربوں کے اپنے جسم کے تجربوں کے اور اپنے محسوسات کے، وہ اپنی ذات اور اپنی اولاد کے سوا سب کچھ بھول گیا ہے اور اب مجھے خطرہ ہے کہ شاید ہماری زندگی نے وفا کی اور کچھ دن ابھی باقی ہیں، وہ وقت بھی کچھ دور نہیں، جب اپنی اولاد کو بھی بھول جائے گا، خود غرضی میں اور خود پرستی میں خود نمائی اور اپنے وجود میں سب کچھ محدود کر دینے کے سلسلہ میں جس رفتار سے انسان ترقی کر رہا ہے، اگر یہ رفتار جاری رہی تو چند دنوں میں ہم دیکھ لیں گے کہ ماں باپ اپنی اولاد کو بھی بھول جائیں گے اور صرف اپنا پیٹ بھرنے کی کوشش کریں گے، وہ اگر بھوکے ہیں اور بلک رہے ہیں تو ان کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی، دنیا میں جہاں مادیت اپنے صحیح برگ و بار لائی ہے اور نبیوں کی تعلیم ان کو روکنے کے لئے وہاں موجود نہیں تھی، یہاں تک کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بگڑی ہوئی اور بچی کھچی تعلیمات کلیسائی تعلیمات اور انجیل کی تعلیم وہ بھی وہاں سے رخصت ہوگئی ہے، وہاں تو یہ حال ہے کہ انسانوں کو اپنے سوا کسی کا ہوش نہیں رہا بلکہ بہت سے

لوگوں کو اپنا بھی ہوش نہیں رہا ہے، جیسا کہ قرآن مجید نے بیان کیا ہے، (نسوا اللہ فانساھم انفسھم) آخری عبرت کا منظر یہ ہے کہ انسان کو اپنا بھی صحیح ہوش باقی نہ رہے یعنی اپنے پیٹ کا تو ہوش رہے، اپنا ہوش نہ رہے۔

ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل معاملہ ہے انسان کا اور انسان کا بھی جو کچھ معاملہ ہے، وہ اس کے دل کا ہے، اور دل کا جو کچھ بھی معاملہ ہے، وہ اس کے نیک ارادوں کا ہے، اگر یہ چیز پیدا ہو جائے یعنی نیک ارادے پیدا ہونے لگیں تو پھر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، یہ وسائل کا تو صرف نام ہی نام ہے، وسائل تو انسانی ارادوں کے تابع ہیں، جن کو خدا کی دی ہوئی طاقت سے انسان خود پیدا کرتا ہے۔

خرابی صرف یہ ہے کہ دنیا کا رخ غلط ہے

اس وقت دنیا کے اندر جو انقلاب آیا ہوا ہے، اس کو خواہ کسی عنوان سے بیان کیا جائے وہ یہ ہے کہ انسان کا رخ خیر سے شر کی طرف مڑ گیا ہے ساری طاقتیں ہیں لیکن اس کی منزل غلط ہو گئی ہے، وہ چل رہا ہے، چلنا ہرگز مذموم نہیں ہوا، بلکہ پہلے چلتا تھا پھر دوڑنے لگا، اور اب اڑنے لگا ہے لیکن جس طرف اڑ رہا ہے، وہ شر کی منزل ہے، انسانیت کشی کی منزل ہے، انسان کو برباد کرنے کی منزل ہے۔

انسانیت کی ساری متاع آج داؤں پر لگی ہے

سب نے جاہ طلبی میں، اقتدار پسندی میں، حکومت کی کرسی حاصل کرنے میں

اپنا سب کچھ داؤں پر لگا دیا ہے' انسانیت کا سارا اثاثہ داؤں پر لگا رکھا ہے' انسانیت کی ساری متاع داؤں پر لگا رکھی ہے' ساری تاریخ داؤں پر لگا رکھی ہے' ساری تہذیب داؤں پر لگا رکھی ہے' بلکہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انسانیت کی لاشوں پر اگر انسان کھڑا ہوکر "أنا ربکم الاعلیٰ" کہہ سکتا ہے تو درجنوں کی تعداد میں نہیں' سیکڑوں کی تعداد میں نہیں' ہزاروں انسان اس کے لئے تیار ہیں' ان اللہ کے بندوں سے عقل کے دشمنوں سے پوچھا جائے کہ جب انسان ہی نہ ہوں گے تو تم کس پر حکومت کرو گے' پتھروں پر حکومت کرو گے' پہاڑوں اور ٹیلوں پر حکومت کرو گے' ریت کے ذروں پر حکومت کرو گے' لیکن آج کے انسان کو ان سوالات سے کوئی دلچسپی نہیں' اب تو صرف حکومت مقصود بن گئی ہے' اور دماغوں پر ایسی مستولی ہوگئی ہے کہ محکوم کی بھی فکر نہیں' اقتدار کی یہ ہوس جس کے لئے فرعون قرآن میں معیاری انسان کے طور پر پیش کیا گیا ہے' اور دولت کی ہوس جس کے لئے قارون معیاری انسان کے طور پر پیش کیا گیا ہے' وزارت کا شوق جس کے لئے ہامان معیاری انسان کے طور پر پیش کیا گیا ہے' یہ تینوں زندہ جاوید کردار ہیں' فرعون' ہامان' قارون' ان کا سلسلہ ختم نہیں ہوا ہے

نفس ما را کمتر از فرعون نیست
لیک او را عون ما را عون نیست

فرق ہے کہ فرعون کے پاس ساز و سامان تھا' اور ہم میں سے کتنے آدمی ہیں' جن کے اندر فرعون بول رہا ہے۔

آج انسان نیلام پر چڑھ چکے ہیں

لیکن ان کے پاس اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ساز و سامان نہیں، آج ساری دنیا اس راستے کے پیچھے آنکھ بند کر کے چلی جا رہی ہے، جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ انسان خربوزوں اور تربوز کی طرح منڈی میں بک رہے ہیں، پارٹیاں بدلی جا رہی ہیں، عقیدے بدلے جا رہے ہیں، زندگی بھر کے کردار پر زندگی بھر کی تاریخ پر پانی پھیرا جا رہا ہے، آدمی ایک کیمپ سے نکل کر دوسرے کیمپ میں جانے کے لئے تیار ہے جس سے ساری عمر دوستی رہی اس سے دوستی ختم کر کے ان سے دوستی کرنے کے لئے تیار ہے، جن سے ساری عمر دشمنی رہی جن کو ساری عمر برا کہتے تھے، ان کو اچھا کہنے کے لئے تیار، جن کو پاؤں تلے روندتا تھا، ان کو سر پر بٹھانے کے لئے تیار، جن کو آنکھوں میں جگہ دیتا تھا ان کو پاؤں تلے روندنے اور مسلنے کے لئے تیار، سب کچھ انسان کرنے کے لئے تیار ہے، اور جس سے آپ پوچھیں گے، اگر وہ صحیح بات کہنے کی ہمت و جرأت رکھتا ہو، منافق نہ ہو تو آپ سنیں گے کہ سب کے دل میں وہی فرعون بیٹھا ہوا ہے، اور دنیا کے فساد کا باعث یہی ہے۔

دنیا کے فساد کا ذمہ دار مذہب نہیں

سن لیجئے کہ دنیا کے فساد کا ذمہ دار مذہب نہیں ہے، دنیا کا فساد یہ نہیں ہے کہ مذہب مذہب سے لڑ رہا ہے، مذہب کے مذہب سے لڑنے کا دور ختم ہوا، صدیوں

پہلے ختم ہوا، آج بچارے مذہب کو کون موقع دیتا ہے کہ وہ میدان میں آئے، آج غیر مذہبی انسان غیر مذہبی انسان سے لڑ رہا ہے، آج غرض، غرض سے لڑ رہی ہے، آج ہوس ہوس سے ٹکرا رہی ہے، آج شیطان شیطان سے ٹکرا رہا ہے، آج مال سے مال ٹکرا رہا ہے، آج اقتدار اقتدار سے لڑ رہا ہے، آج حکومت حکومت سے لڑ رہی ہے، آج وزارت وزارت سے لڑ رہی ہے، آج پارٹی پارٹی سے لڑ رہی ہے۔

ساری لڑائی اغراض کی ہے

تم نے دو عظیم جنگوں کا نقشہ دیکھا ہے، ان میں کون سا مذہب کس مذہب کے خلاف لڑا تھا، کہاں صلیبی جنگ تھی، کیا وہ اسلام و عیسائیت کی آویزش تھی، حاشا و کلا، مذہب اس سے بری ہے، یہ مذہب کی خوبی ہو یا مذہب کی کمزوری ہو، مجھے اس سے بحث نہیں، مذہب آج اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ دوسرے مذہب سے ٹکرائے، خلوص خلوص سے کبھی نہیں ٹکرایا، روحانیت روحانیت سے کبھی نہیں ٹکرائی، یہ الزام ہے، اتہام ہے، بہتان ہے، میں تاریخ کو چیلنج کرتا ہوں، تاریخ کے پروفیسروں کو چیلنج کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ بھی بتا دیں کہ خلوص خلوص سے لڑا ہو، خلوص میں خلوص سے لڑنے کی صلاحیت ہی نہیں، خلوص جب خلوص کی طرف بڑھے گا، پہچان لے گا، بھائی، بھائی کو پہچان لیتا ہے، نیک نیک کو پہچان لیتا ہے، ماں اپنے بیٹے کو پہچان لیتی ہے، بیٹا اپنی ماں کو پہچان لیتا ہے، اس سے زیادہ مخلص مخلص کو پہچانتا ہے، کبھی مخلص مخلص سے نہیں لڑ سکتا، کبھی روحانیت

روحانیت سے نہیں لڑ سکتی کبھی نیکی نیکی سے نہیں لڑ سکتی کبھی صداقت صداقت سے نہیں لڑ سکتی، ہمیشہ جھوٹ جھوٹ سے لڑتا ہے، ہمیشہ نفاق نفاق سے لڑتا ہے، ہمیشہ باطل باطل سے لڑتا ہے، ہمیشہ اغراض اغراض سے لڑتے ہیں، سارا فساد دنیا میں اغراض کا ہے، اغراض کے سوا آج کچھ نہیں ہے، امریکہ میں اغراض کے سوا کچھ نہیں ہے، یورپ میں اغراض کے سوا کچھ نہیں ہے، اور افسوس کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے اس برصغیر ہندوستان و پاکستان میں اغراض کے سوا کچھ نہیں ہے، آج ساری دنیا میں اغراض کی کارفرمائی ہے، آج لوگوں کو روٹی نہیں ملتی تو اغراض کی بدولت، آج لوگوں کو تن چھپانے کے لئے کپڑا نہیں ملتا تو اغراض کی بدولت آج انسان انسان کے خون کا پیاسا ہے، اغراض کی بدولت آج کل جو فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ہیں، وہ بھی اغراض کا کرشمہ ہیں، مذہب کا نام بدنام ہے، مذہب کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک شاہراہ کے سوا آج سارے راستے بند ہیں

میں صاف کہتا ہوں کہ اسلام کا بھی اس سے کوئی تعلق نہیں، ہندو مذہب کا بھی تعلق نہیں، عیسائیت کا بھی تعلق نہیں، ایک مذہبی اور انصاف پسند انسان کی حیثیت سے میں اعلان کرتا ہوں کہ مذہب کا کوئی قصور نہیں احمد آباد میں اغراض اغراض سے لڑے، انسانیت دشمنی تھی، جو سامنے آئی، آج جہاں کہیں بھی کشت و خون ہو رہا ہے، آج جہاں کہیں بدامنی ہے آج جہاں کہیں انسان انسان کو پامال کر رہا ہے، گھروں کو تاراج کر رہا ہے، بستیوں کے بستیوں کے چراغ

کر رہا ہے، وہاں صرف اعراض ہیں، اور یہ سلسلہ کبھی بند نہیں ہوسکتا، اس کے بند کرنے کی طاقت دنیا کے کسی فلسفے میں نہیں، اس کے بند کرنے کی طاقت کسی مفکر کے پاس نہیں، راستے گم ہیں، دروازے بند ہیں، انسان کی قسمت پر مہر لگ چکی ہے، صرف ایک راستہ ہے، اور وہ راستہ صرف انبیاء علیہم السلام کا بتایا ہوا راستہ ہے۔

اے یورپ کے داناؤ! اے امریکہ کے لال بجھکڑو! تم راستہ کھو چکے، مسیح علیہ السلام نے تم کو ایک راستہ بتایا تھا، جب تک محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت نہیں ہوئی وہ راستہ بھی منزل تک پہنچانے کے لئے کافی تھا، مگر اے عقل و انسانیت کے دشمنو! تم نے مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کا دامن چھوڑ دیا، کلیسا پر افترا ہے، الزام ہے، کلیسا میں ہزاروں خرابیاں سہی، کلیسا نے بہت غلط کردار ادا کیا، لیکن کلیسا جنگوں کا ذمہ دار نہیں، کلیسا نے وحدت پیدا کی یورپ کی منتشر طاقتوں کو ملایا اور وہاں کے لوگوں نے صاف صاف کہا ہے کہ جب سے لوتھر کی تحریک دنیا میں آئی اس نے عیسائیت کو جو کچھ بھی فائدہ پہونچایا ہو اس نے یورپ کی وحدت کو پارا پارا کر دیا، ایک کلیسائے اعظم، ایک اسقف اعظم کے نیچے جو یورپی اقوام جمع ہو گئی تھیں، اور صدیوں سے زندگی گزار رہی تھیں، ان کا تار بکھر گیا، ان کی لڑی ٹوٹ گئی، وہ ایسی منتشر ہوئیں کہ آج کوئی طاقت، کوئی فلسفہ، کوئی نظام، خواہ وہ اقتصادی نظام ہو، خواہ وہ کوئی سیاسی نظام ہو، خواہ وہ جمہوریت ہو، خواہ ڈکٹیٹر شپ ہو، کوئی اس وحدت کو دوبارہ لانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ہمارا علاج ہمارے اندر ہے

دنیا کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ ہمارا مرض ہمارے اندر ہے، اور ہمارا

علاج بھی ہمارے اندر ہے، جس چیز کو ہم باہر تلاش کرتے پھرتے ہیں، وہ ہمارے اندر ہے، وہی قصہ ہے کہ کسی کی کوئی چیز کھو گئی تھی، گھر کے اندر اور باہر اس کو تلاش کر رہا تھا، کسی نے کہا کہ وہ چیز کہاں گری تھی؟ اس نے کہا گھر کے اندر، اس نے کہا کہ گھر کے اندر کیوں نہیں تلاش کرتے؟ کہنے لگے گھر کے اندر روشنی نہیں، روشنی باہر ہے، اس لئے جہاں روشنی ہے، وہاں میں تلاش کر رہا ہوں۔

آج ساری دنیا کے لال بجھکڑ یہی کر رہے ہیں، حقیقت گم ہوئی تھی ہمارے دل کے اندر، ہمارے وجود کے اندر ہمارے ارادوں کے اندر ہمارے یقین کا جو سرچشمہ ہے اس کے اندر، لیکن چونکہ اس میں تاریکی ہے، اور تاریکی ہے ایمان نہ ہونے کی وجہ سے تاریکی ہے، اس وجہ سے کہ نبوت کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ گیا، لیکن ملے گی وہ چیز وہیں، باہر گیس کے ہنڈے کی روشنی سہی لیکن جو چیز جہاں گری ہے، وہ چیز وہیں ملے گی، تم نے جس چیز کو گھر کے اندر کھویا ہے، اس کو گھر کے باہر مت ڈھونڈو، گھر کے اندر آؤ، چراغ جلاؤ، ایمان کی مشعل مانگ کر کے لاؤ، لیکن خدا کے لئے گھر میں آؤ، اور تلاش کرو، جو چیز جہاں گری ہے، قانونِ خداوندی ہے، عقل کا فیصلہ ہے، وہ چیز وہیں ملے گی۔

دنیا کے دکھوں کا علاج صرف یہ ہے کہ دل میں ایمان کا چراغ روشن کیا جائے

تم نے دل کی دنیا میں یقین کھویا، تم نے دل کی دنیا میں انسان کی محبت کھوئی، تم نے دل کی دنیا میں ایمان کھویا، تم نے دل کی دنیا میں انسان پر اعتماد کھویا، تم نے دل کی دنیا میں خدا کی محبت کھوئی، اب تم اس کو باہر تلاش

کر رہے ہو، تم اس کو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر تلاش کر رہے ہو، تم اس کو سیاسی کانفرنسوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو سیاسی پارٹیوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو یونیورسٹیوں کے ایوانوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو کتب خانوں کے گوشوں میں تلاش کر رہے ہو، خدا کا قانون ہے، خدا کی غیرت کا فیصلہ ہے کہ جو چیز جہاں کھوئی ہے وہیں ملے گی، یہ کھوئی ہوئی چیز جسے تم نے دل میں کھویا ہے، اور تم جانتے ہو کہ تم نے کھویا ہے، تمھیں یاد ہے وہ دن جس دن تم نے کھویا تھا، تمھیں وہ گھڑی یاد ہے جس گھڑی تم نے اس کو کھویا تھا، وہ چیز جب گری تھی، اس کی آواز آئی تھی، شیشہ گرتا ہے تو اس کی جھنک پیدا ہوتی ہے، وہ کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ ریت میں گر کر کھو گئی ہو، اور آواز نہ آئی ہو، اس کی رسید آئی، اس نے اعلان کیا کہ میں جا رہی ہوں، ایمان جب کھویا تم کو معلوم ہے، اس کی صدائے بازگشت تمھارے کانوں میں آئی، محبت جب کھوئی تو اس کی آواز آئی، اس نے پکارا، اس نے تم کو دہائی دی کہ میں جا رہی ہوں، نبوت کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو تم کو احساس ہوا اور بتانے والوں نے بتایا، تم نے سُنی اَن سُنی کر دی، یورپ کے داناؤ، یورپ کے لال بجھکڑو! تم نے اس وقت ایسا شور مچا رکھا تھا، ایسی گھنٹیاں بجا رکھی تھیں، ایسے ناقوس بجا رکھے تھے، ایسے جنگ کے گھنٹے بجا رکھے تھے، کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کی عطا کی ہوئی چیز کھوئی تھی، اور زمین پر گر کر اس نے آواز دی تھی تو تم نے اس کی آواز نہیں سنی، لیکن مسلمان تم کو بتاتا ہے کہ وہ چیز تم نے کہاں کھوئی، ڈھونڈھنے والوں کو وہیں ملے گی، آب حیوان کا چشمہ وہیں ملتا ہے، جہاں ہوتا ہے، ہزار دریا سہی، سمندر سہی، راوی و چناب سہی اور گنگا و جمنا سہی

لیکن آبِ حیواں کا چشمہ تاریکیوں ہی میں ملے گا، انہی تاریکیوں میں جانا پڑے گا، پہلے تاریکیاں پڑیں گی پھر آبِ حیواں کا چشمہ ملے گا۔

اب دنیا کا کوئی علاج نہیں، سننے والے سن لیں، لکھنے والے لکھ لیں، یاد کرنے والے یاد کرلیں کہ اب دنیا کا کوئی علاج نہیں ہے، علاج صرف یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑا جائے اور پھر وہ چراغ بھی روشن کیا جائے جس سے دل کی کھوئی ہوئی چیز ملے، دل کا سرا گم ہوچکا، دل تک پہونچنے کا راستہ کسی کے پاس نہیں، افسوس یہ ہے کہ راستہ نہیں، دل تک پہونچنے کا راستہ بہت نازک ہے، یہ بہت پتلی گلی ہے، مگر راستہ وہی ہے۔

دماغ ہفت زبان ہے لیکن دل صرف ایک زبان جانتا ہے

سن لو کہ دماغ ہفت زباں ہے، لیکن دل یک زبان، دماغ انگریزی جانتا ہے، دماغ فرانسیسی جانتا ہے، دماغ عربی جانتا ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ تقریریں کرو، لطیف نکتے پیدا کرو، بلند سے بلند فلسفیانہ بحثیں کرو، لیکن دل ایک زبان جانتا ہے، دل انصاف کی زبان جانتا ہے، دل محبت کی زبان جانتا ہے، دل فلسفوں سے نہیں سمجھے گا، باریکیوں سے نہیں سمجھے گا، سائنس سے نہیں سمجھے گا، دل تو ایک ایمان کی زبان جانتا ہے، خدا کا نام لو تو دل جاگ اٹھے گا، خدا کے نام سے پکارو، دل دوڑ پڑے گا، خدا کے نام کی دہائی دو، دل سب کچھ نچھاور کردے گا، اور جب دل تیار ہوجائے گا تو پھر کسی چیز کی کمی نہیں، وسائل کی کمی نہیں، طاقت کی کمی نہیں، تنظیم کی کمی نہیں، دولت کی کمی نہیں، دانائی کی

کمی نہیں، سب قدموں کے نیچے ہیں، لیکن دل کو جگا لو اور دل کو ایک مرتبہ خیر کے راستے پر ڈال دو اور دل میں انسان کی محبت پیدا کر دو، دل کی اس ویرو بنجر زمین میں پھر صلاحیت پیدا کرو، اور وہ صلاحیت پیدا نہ ہوگی جب تک اپنے سفلی اغراض ومقاصد کی کھاد اس میں نہ ڈالو، یہ تمھاری دولت پرستی یہ تمھاری جاہ پرستی، یہ تمھاری غرض پرستی، یہ تمھاری حکومت پرستی یہ کھاد ہے دل کی، جب اس کو کھاد بنا کر زمین پر ڈالوگے تو دل کی کھیتی خزانہ اگلے گی پھر خلوص پیدا ہوگا، کھاد ہوگی، ـــــ تم نے دیکھا ہے کہ کھاد ہمیشہ گندی ہوتی ہے، مگر کھاد سے جو چیز پیدا ہوتی ہے، وہ کیسی لطیف ونظیف ہوتی ہے، جب اغراض کی غلط مقاصد کی کھاد، انسانیت دشمنی کی ـــــ جاہ پرستی کی ـــــ اور حکومت پرستی کی کھاد ڈالوگے تو اس سے خلوص برآمد ہوگا، اس سے صداقت برآمد ہوگی، اس سے انصاف برآمد ہوگا، اس سے انسانیت کی فلاح کی طلب برآمد ہوگی، اور پھر دنیا میں بہار آجائے گی، اور یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے گی۔

کتاب ہٰذا

("مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں")

"......اس کتاب میں مصنف نے ایک مثالی داعیٔ اسلام کی تصویر پیش کی ہے جو مغرب کو اسلام کی دعوت بغیر کسی معذرت و شرمندگی کے دیتا ہے، اور اس کے لئے غیر ضروری تاویلات کا سہارا نہیں لیتا، وہ اس کو کھل کر یہ دعوت دیتا ہے کہ وہ بنی نوع انسان کی قیادت میں اپنا اہم کردار ادا کرے اور زندگی کا رُخ تبدیل کردے، وہ یہ کہتا ہے کہ یہ علوم اور وسائل پوری انسانیت کو بلا تفریق و امتیاز حقیقی سعادت و کامیابی سے ہمکنار کر سکتے ہیں بشرطیکہ ایمان اور صالح مقاصد کے ساتھ ان کا جوڑ ہو، لیکن وہ صرف اس پر اکتفا نہیں کرتا، وہ اہل مغرب کو اس انانیت، تکبّر، استغناء اور علمی غرور کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے، جو قبولِ حق کے راستے میں حائل ہو گیا ہے، اور اس کی وجہ سے روشنی کے سارے روزن اس پر بند ہو چکے ہیں، اور یہ سب بڑی ہنرمندی و ذہانت، حکمتِ ایمانی اور اخلاص و دردمندی کے ساتھ کہا گیا ہے، اور دلی کرب و بے چینی کا آئینہ دار ہے......"

(مقدمۂ کتاب۔ از مولانا محمد الحسنی مرحوم)

کتاب میں بڑی جرأت کے ساتھ مغربی تہذیب کے نقائص پر نکتہ چینی اور مشرق کے پرستارانِ مغرب کی غلامانہ ذہنیت اور اندھی تقلید پر صاف صاف تنقید کی گئی ہے، اور مشرق و مغرب کی درمیانی خلیج کو پاٹنے اور انسانیت کی صحیح رہنمائی و خدمت کے لئے ایک راہِ اعتدال کی نشاندہی کی گئی ہے۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹، لکھنؤ

DESIGNED BY FAISAL VIQAR

PRINTED AT : KAKORI OFFSET PRESS, LKO. PH. : 2229616